کارنیوال

کرشن چندر

کارنیوال

کرشن چندر

پنجاب نیوز ایجنسی
فون نمبر ۱۱۲۴۳۵
اردو بازار کراچی ۱

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل جنوری ۱۹۷۳ء

تعداد ———— (۱۱۰۰)

طابع ———— دین محمدی پریس لاہور

قیمت [redacted] روپے ————

اہتمام سعید شیخ

نسیم بک ڈپو، کچہری روڈ لاہور

کارنیوال

کرشن چندر

نسیم بکڈپو — کچہری روڈ — لاہور

دراصل اُس کا نام شوبھا نہیں تھا۔ روزمی تھا۔ مگر چونکہ وہ مسٹر بوس کے یہاں کھانا پکانے پر ملازم ہوئی تھی۔ اس لئے اُس نے اپنا نام شوبھا رکھ لیا تھا۔ آج کل یہی کرنا پڑتا ہے۔ ہندو کے ہاں کام کرو تو ہندو نام رکھنا پڑتا ہے مسلمان کے ہاں کام کرو تو مسلمانا نام رکھنا پڑتا ہے۔ عیسائی کے ہاں کام کرو تو عیسائی نام رکھنا پڑتا ہے۔ آج کل دنیا کچھ ایسی ہوتی جا رہی ہے۔ کہ اصلی نام صرف بڑے آدمی ہی رکھ سکتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں غریب پیشہ لوگ اپنی جیب میں پانچ چھ نام ضرور رکھتے ہیں۔ جنہیں وہ حسب حالات استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ زندگی کمانا مشکل ہے۔

اُس کا چہرہ بھی کچھ ہندوانہ تھا۔ اور وہ اپنی ماں کی طرح ہمیشہ ساڑھی پہنتی تھی۔ نیچی نظر کر کے بات کرتی تھی۔ اور کافی لجائی شرمائی سی رہتی تھی۔ یوں دیکھنے میں کوئی زیادہ خوبصورت بھی نہیں تھی۔ دبلی پتلی، سانولی، مگر اُس کی آنکھوں میں کوئی بات تھی۔ جو دیکھنے والے کو دوبارہ دیکھنے پر مجبور کرتی تھی۔

اور دوبارہ دیکھنے پر وہ پہلے سے کچھ زیادہ اچھی معلوم ہونے لگتی۔ اُس کے اُداس ہونٹ ہر وقت سسکتے سے معلوم ہوتے۔ اور آنکھیں ترس کھانے پر مجبور کرتیں۔ اُسے دیکھ کر یہ جی چاہتا تھا۔ کہ اُسے ایک ہاتھ مار دیا جائے۔ اور پھر پچکار کر پیار کر لیا جائے۔ وہ اپنی ماں صوفیہ مندراں کے ساتھ گیارہ برس کی عمر میں بمبئی آئی تھی۔ منگلور کے کسی دور افتادہ عیسائی گاؤں سے، جہاں تین سال سے سوکھا پڑ رہا تھا۔ اور بے حد غریبی تھی۔ اور رشتے دار بے مہر تھے اور باپ بچپن ہی میں مر گیا تھا۔ ان سات سالوں میں شو بھانے بمبئی میں بہت کچھ دیکھا تھا۔ پہلے اُس کی ماں کک تھی۔ اور وہ جھاڑو کٹکا کرتی تھی۔ اب اُس کی ماں مر چکی تھی۔ اور اب وہ کک تھی۔ اُس کی ماں نے باورچی گیری کے کام میں اپنی بیٹی کو اس قدر ماہر کر دیا تھا۔ کہ اب وہ ہر طرح کے کھانے پکا سکتی تھی اور اپنے لذیذ کھانوں اور حُسنِ سلوک سے جہاں جاتی اپنے مالکوں کا دل جیت لیتی۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ ایک اچھے کک کو عام اچھے گھروں میں ستر روپے سے زیادہ تنخواہ نہیں ملتی ہے۔ ساٹھ۔ ستر۔ ساٹھ۔ ستر۔ اسی بریکٹ میں اُسے کام ملتا تھا۔ بہت کم ہے یہ۔ اپنے گھر میں وہ چھ جماعت تک پڑھی تھی۔ اگر اُس کا باپ زندہ رہتا تو شاید وہ میٹرک تک پڑھ لیتی۔ ممکن ہے اُسے کوئی اچھا شوہر بھی مل جاتا۔ اب تو وہ ایسی باتوں کے متعلق بہت کم سوچتی تھی۔ اور جو کچھ وہ سوچتی تھی۔ اُس میں سب سے بڑی اُلجھن یہ تھی کہ اُس کا دماغ کچھ اور سوچتا تھا۔ اور اُس کا بدن کچھ اور سوچتا تھا۔ جوانی میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

اُسے مہینے میں چار آدھے دن کی چھٹی ملتی تھی۔ اور وہ چھٹی کے اوقات میں ہمیشہ اپنی سہیلی رسنا، جو اُس کی طرح منگلور کے کسی دوسرے گاؤں سے آئی تھی، کو لے کر کسی سینما میں گھس جاتی تھی۔ رسنا گندمی رنگ کی ناٹے قد کی، گٹھی ہوئی چست لڑکی تھی۔ جسے بمبئی آئے ہوئے ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ابھی تک گنوار، مُنہ پھٹ، اُجڈ اور کسی قدر بے وقوف بھی تھی شہری رنگ ڈھنگ ابھی اُسے نہیں آتے تھے۔ مگر آ جائیں گے بمبئی بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔

لیکن جب سے ماہم کریک پر سمندر کے کنارے کارنیوال لگا تھا۔ شوبھا نے سینما جانا چھوڑ دیا تھا۔ اور شوبھا کے ساتھ رسنا نے بھی۔ کارن لالی تھا۔ اور یہ بھی سچ تھا۔ کہ شوبھا اور رسنا ہی نہیں۔ باندرے، کھار، سانتا کروز، ماہم، اردگرد کے نواح کی بہت سی کرسچین چھوکریاں، آیائیں، نرسیں، اور ٹائپسٹ لڑکیاں اُس پر فدا تھیں۔

عورتوں کو سنبھالنے کے انداز لالی کو بہت آتے تھے گھنے بالوں کا ایک کُوب سا ہر وقت اُس کے ماتھے پر رہتا۔ چمکتی جادو بھری مسکان تھی اُس کی جس پر عورتوں کا دل ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ پھر کپڑے بھی بہت اچھے پہنتا تھا وہ جو اُس کے اُونچے لانبے قد پر بہت سجتے تھے۔ اُس کا بدن طاقتور۔ لچکیلا اور بے حد متناسب تھا۔ براؤن چمکیلے جوتوں کے اوپر گہری براؤن پینٹ کے اُوپر گہرے سُرخ رنگ کی جرسی پہنے ہوئے ایک اونچے اسٹول پر کھڑا ہو کر کارنیوال کے باہر مسز ہوشنگ بائی کے بوتھ کے سامنے

جب وہ آواز لگا کر بجلی کے جھولے کے لئے مجمع اکٹھا کرتا تھا۔ تو اس کے دلچسپ لطیفے اور فقرے بازی سننے کے لئے بھیڑ لگ جاتی تھی جس میں زیادہ تعداد لڑکیوں ہی کی ہوتی تھی۔ اور اس میں بھی زیادہ تر نچلے طبقے کی لڑکیاں۔۔۔ اکثر ان لڑکیوں کے ساتھ آنے والے عاشق یا بھائی یا خاوند لالی کو دیکھ کر کسی قدر بیزاری کا اظہار کرتے۔ مگر لڑکیوں کو اس کی پروا نہیں تھی۔ اور لالی کو بھی نہیں تھی۔ اس کا مضبوط گٹھا ہوا بدن دیکھ کر اس سے لڑنے کی جرأت بھی بھی کسی کو نہ ہوتی تھی۔ اور پھر لالی بھی بہت حالات دیکھ کر ہاتھ ڈالتا تھا۔ کبھی ہنس دیتا۔ کبھی مغرور ہو کر منہ پھیر لیتا، کبھی اسٹول سے نیچے اتر کر خود لڑکیوں کے ہاتھ سے روپے لے کر مسز ہوشنگ بائی کے بوتھ سے ٹکٹ خرید کر گاہکوں کو دیتا۔ کسی کے ساتھ مذاق کیا تو دوسرے کو سنجیدگی سے نمٹنے۔ تو تیسرے کو آداب عرض۔ کسی جاننے والی کو آنکھ مار دی تو کسی گھبرائی ہوئی لڑکی کو بڑی شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اسے نہایت نرمی سے گیٹ کے اندر دھکیل دیتا تھا۔ ایک ایسی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہ لڑکی عمر بھر اس کے مردانہ لمس کو یاد رکھے گی۔ اور مسز تھبوالا یا جسونت سنگھ۔۔ یا مرادی بابو کے کچن میں برتن دھوتے دھوتے اکثر اس چھوکری کو لالی کی جادو بھری مسکان یاد آئے گی۔ وہ بمبئی کا باسی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ تاروں سے پرے کی دنیا سے آیا ہو گا۔ ادھ کچی جوانی میں سرشار رومانی خوابوں میں گرفتار بہت سی نوکر پیشہ لڑکیاں، اس کے بارے میں اسی طرح سوچتی تھیں۔

شوبھا بھی اسی طرح سوچتی تھی۔ مگر فرق یہ تھا۔ کہ دوسری لڑکیوں کی طرح آج تک اُس کی یہ ہمت نہ ہوئی تھی کہ لالی سے آنکھ سے آنکھ ملا کر بھی بات کرے۔ یا دوسری لڑکیوں کی طرح اُس پر کوئی چنچل فقرہ کس دے۔ اور پھر اُس کی دو غلی دو معنی بات سُننے کے لئے تیار رہے۔ لالی کو اپنے قریب دیکھ کر شوبھا اور بھی سمٹ جاتی۔ اُس کے مکھ پر لاج کی لہریں دوڑنے لگتیں۔ آنکھیں بند ہونے لگتیں۔ سانس کا چلنا تک مشکل ہو جاتا۔ اور دل اتنے زور سے دھڑکتا ہے کہ اُس کی آواز ناممکن ہے کہ لالی کے کانوں تک نہ پہنچتی ہو۔ وہ اپنے دل کی تیز دھڑکن سے بہت عاجز تھی۔ اور جس دن لالی نے اُس کی کمر کو ذرا سا چھو کر اُسے ٹکٹ دیتے ہوئے کارنیوال کے اندر رسنا کے ساتھ بھیڑ میں ذرا سا دھکیل کر بھیج دیا تھا۔ وہ حرکت تو شوبھا کبھی نہیں بھول سکتی۔ اُس کا جی چاہا وہ پھر کارنیوال سے باہر نکل آئے۔ تاکہ لالی اُسے پھر دھکیل کر گیٹ کے اندر بھیجے۔ مگر یہ ناممکن تھا۔ دُنیا کیا کہے گی۔ مسز ہوشنگ بائی یعنی وہ ادھیڑ عمر کی گوری چٹی پارسن جو کارنیوال میں بجلی کے جھولے کی مالک تھی۔ وہ خود کیا کہے گی۔ کیونکہ شوبھا نے دیکھا تھا کہ گو مسز ہوشنگ بائی لالی کی مقبولیت سے پُورا پُورا فائدہ اپنے بوتھ کے ٹکٹ بیچنے کے لئے اُٹھاتی ہے۔ پھر وہ لالی پر کڑی نگاہ بھی رکھتی ہے۔ اور کسی خاص لڑکی سے میل جول کو پسند ہی نہیں کرتی ہے۔ پھر لالی بھی بے حد مغرور تھا۔ اور کبھی کبھی اُس کا موڈ بھی بے حد خراب ہوتا تھا۔ حالانکہ کارنیوال کے بارکر کو اپنا موڈ خراب کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ بارکر کا کام کارنیوال کے باہر کھڑے ہو کر

اپنے اپنے بوتھ کے لئے مجمع اکٹھا کر کے اُنہیں ٹکٹ خریدنے کی ترغیب دینا ہوتا ہے۔ لیکن لالی اس قدر اچھا بارکر تھا۔ اتنی جلدی مجمع اکٹھا کرتا تھا۔ اتنے عمدہ لطیفے سُناتا تھا۔ اتنے ٹکٹ بکواتا تھا۔ لڑکیوں میں اس قدر پاپولر تھا۔ کہ اُس کا غرور اُس کی خفگی اور تنگ مزاجی بھی برداشت کر لی جاتی تھی اور یہ چھوٹ کسی دوسرے مجمع باز کو حاصل نہ تھی۔ حالانکہ کارنیوال کے باہر ایک درجن سے زیادہ بارکر تھے۔ جو اپنے اپنے بوتھ کے لئے شب وروز چلاتے تھے۔ مگر جو مقبولیت لالی کو حاصل تھی۔ وہ کسی دوسرے مجمع باز کو نصیب نہ تھی۔

لالی کی نگاہوں میں شوبھا کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ پہلے تین چار بار تو اُس نے شوبھا کا کوئی نوٹس بھی نہیں لیا تھا۔ مگر پھر شوبھا کے بار بار آنے سے اور صرف اُسی کے بوتھ سے فلائینگ وہیل کا ٹکٹ خریدنے سے اور لالی سے بات چیت کرنے کی کوشش کئے بغیر (جیسا کہ دوسری لڑکیاں اکثر کرتی تھیں) گیٹ کے اندر خاموشی اور کسی قدر اُداسی سے اندر چلے جانے سے۔ لالی کو شوبھا کے لئے دلچسپی سی پیدا ہو گئی تھی۔ مگر محض دلچسپی کیونکہ اُس کی نگاہ میں دوسری لڑکیاں تھیں۔ جو تھیں تو شوبھا کے طبقے کی ہی۔ لیکن شوبھا سے بہت زیادہ حسین تھیں۔ نوکر پیشہ طبقے میں بھی اپنے

ٹائپ کا حسن ہوتا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو لالی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ اس قدر لڑکیاں اُس پر ٹوٹ کر گرتی تھیں۔ کہ اب بجائے اس کے کہ وہ کسی لڑکی سے اظہارِ محبّت کرے۔ خود لڑکیوں سے اظہارِ محبّت کی اُمید میں رہتا تھا۔ اور اب اُس کا تقریباً عادی ہو چلا تھا۔ اب اگر وہ کسی طرف دیکھ کر مسکراتا بھی تھا۔ تو اس انداز کے ساتھ گویا وہ خود کسی پر مہربانی کر رہا ہے۔ اسی انداز کے ساتھ اُس نے آج کمال ملاطفت کے ساتھ لکڑی کے مور پر بیٹھی ہوئی شوبھا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بس ایک لمحے کے لئے اُس کی کمر کو اپنے ہاتھ کے دباؤ سے سرشار کر کے الگ ہو گیا تھا۔ اور وہیل کا چکر چالو کر دیا تھا اُس کی اس حرکت کو رسنا نے دیکھ لیا تھا۔ جو شوبھا کے بالکل قریب ایک چوبی چیتے کی سواری کر رہی تھی۔ اس کی اس حرکت کو مسز ہوشنگ بائی نے دیکھ لیا تھا۔ جو اس بجلی کے جھولے کی مالک تھی۔ وہ اس وقت جھولے کا سوئچ دبانے کے موقعے پر اپنے بار کرلالی کے لئے دو کھارے بسکٹ اور ایک پیالی چائے کی لے کر سامنے آ گئی تھی۔ اور اُسے دیکھتے ہی شوبھا نے شرم سے مُنہ پھیر لیا تھا۔ شوبھا نے آج تک لالی سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اور یہی بات مسز ہوشنگ بائی کو خطرناک معلوم ہوئی تھی۔ دوسری نوکر پیشہ عورتوں اور لڑکیوں سے جو ہر وقت اپنی سستی ادائیں دکھا کر لالی کو گھیرے رہتی تھیں۔ اُن عورتوں سے مسز ہوشنگ بائی کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن وہ اس دُبلی پتلی، سانولی کی خاموش گھٹن اور کم نگہی سے ڈرنے لگی تھی، یہ لڑکی اب ہر روز آنے لگی ہے۔ یہ غریب ملازمہ کیسے ہر روز کارنیوال کا ٹکٹ

خرید سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اپنی ساری تنخواہ۔ لالی کی خاطر اُس کے بوتھ کی نظر کر رہی ہے۔ ایک طرح سے اچھی بات ہے۔ مگر دوسری طرح سوچو تو ڈر سکتا ہے، کہیں لالی میرے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ مگر لالی اس وقت جھولا چلا کر غالباً شوبھا کو بھول چکا ہے۔ وہ چائے پیتا ہوا کُرکرے کھاری بسکٹ مُنہ میں ڈال کر چُر چُر کی آواز اپنے مضبوط جبڑوں سے نکالتا ہوا کیسی دلکش نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا ہے۔ یقیناً میرے شبہے بے بنیاد ہیں۔ بھاری بدن کی گوری چٹی مسز ہوشنگ بائی نے سوچا اور اپنے بار کر کو چائے پلا کر پھر بوتھ پر آ بیٹھی۔ اور اطمینان کے ساتھ ٹکٹ بیچنے میں مصروف ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد لالی بھی باہر آ گیا۔ اور بوتھ کے باہر اسٹول پر کھڑے ہو کر دوسرے چکر کے لئے مجمع اکٹھا کرنے لگا۔ بوتھ کے اندر بیٹھی ہوشنگ بائی چھپ چھپ کر پیار بھری نظروں سے دیکھتی جاتی اور ٹکٹ کاٹتی جاتی۔ کبھی کبھی جب لالی اپنے ہاتھ اُٹھا کر اپنے ماتھے سے بالوں کی لٹ پیچھے کو لوٹا دیتا تو ہوشنگ بائی کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگتا۔ اُسے لالی کی یہ ادا بے حد پسند تھی۔

ہوشنگ بائی نے گھڑی دیکھی۔ ابھی کارنیوال ختم ہونے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے۔ ابھی چار چکر اور ہوں گے۔ چار آخری چکر۔ اب صرف آخری چار بار ٹکٹ اور بکیں گے۔ اس لئے لوگوں کا اژدحام بڑھ گیا ہے۔ ہر بوتھ کے سامنے بار کر چلا چلا کر اپنے خاص شو دیکھنے کے لئے لوگوں کو ٹکٹ خریدنے کی دعوت دے رہے ہیں "دو سر کی عورت دیکھئے،" "چار ہاتھ کا لڑکا،" "جو نش لگانے والی گائے،" پانچ روپیہ ٹکٹ پر پانچ سو روپیہ انعام۔ میری گراؤنڈ، میری

گراونڈ۔ بوگی پاشا۔ دُنیا کا سب سے بڑا جادوگر گیدار پور کے نٹ اسپین کی جیتی عورتوں کے ڈانس۔ دو روپیہ میں دس نشانے۔ قسمت آزمایئے دیکھتے جایئے۔ کارنیوال کا لطف لیتے جایئے۔

اس وقت کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ لالی اپنے بہترین لطیفے اس سمے کے لئے محفوظ رکھتا تھا۔ اسٹول پر کھڑے بولتے بولتے اُس کا چہرہ سُرخ ہو چلا ہے۔ اردگرد لڑکیاں لڑکے ہنس رہے ہیں۔ اب وہ نیچے اُتر کے ٹکٹ دے رہا ہے۔ ایلو۔ اس کمبخت شوبھا نے پھر ایک ٹکٹ خرید لیا ہے۔ ایسا تو اُس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ ایک بار آ کے ٹکٹ لیتی تھی۔ جھولا جھول کے چلی جاتی تھی۔

آج تو غضب ہو گیا۔

لالی نے مسکرا کر اُسے ٹکٹ دیا۔

ہوشنگ بائی کو لگا جیسے ایک خاص دلکش مسکراہٹ سے لالی نے شوبھا کو دیکھ کر اُسے ٹکٹ دیا ہے، اور ٹکٹ دیتے وقت ذرا سا ہاتھ شوبھا کا یوں دبا دیا ہے۔ کہ وہ جھینپ کر سمٹی جا رہی ہے۔ گیٹ کے اندر جا رہی ہے۔ لالی نے دوسری لڑکیوں کو چھوڑ کر خاص طور پہ اُس کی کمر کو دبا کر اُسے گیٹ کے اندر پھر دھکیل دیا ہے۔ مسز ہوشنگ کے دل میں غصّے کی لہریں اُبھرنے لگیں۔ مجھے خبردار کرنا پڑے گا۔ اس سالی کمینی کو۔ یہ یہاں جھولا جھولنے آتی ہے۔ یا میرے بار کر سے عشق لڑانے آتی ہے۔ اب معاملہ میری برداشت سے باہر ہے۔ ایک دفعہ اُس کی

بے عزتی کر دوں گی۔ پھر دوبارہ یہ ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔

جب شوبھا کا جی تیسری بار بھی ٹکٹ خریدنے کو جی چاہا۔ تو رسنا اڑ گئی۔

"باولی ہوئی ہے کوئی دیکھ لے گا"

"تو کیا ہوا۔؟" شوبھا پاگل ہو کے بولی۔

"میرے پاس تیسرے ٹکٹ کے پیسے نہیں ہیں۔"

"کتنے ہیں۔؟" شوبھا نے پوچھا۔

"ایک روپیہ چار آنے ہیں۔"

"تو ایک روپیہ مجھے دے دے۔ میرے پاس ایک روپیہ ہے۔ دو روپیوں سے ایک ٹکٹ خرید لوں گی۔

"اور پھر واپس کیسے جائیں گے۔"

"پیدل جائیں گے۔"

"ایسی بھی کیا ضرورت ہے۔؟ رسنا نے غصے سے اُسے ٹوکا۔ مگر اُس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شوبھا نے اُسے ٹوک دیا۔

"بس۔ چُپ۔ بس۔ جلدی سے ایک روپیہ دے دے رسنا۔" شوبھا کی ترسی ہوئی نگاہ دیکھ کر رسنا نے چپ چاپ پرس کھول کر ایک روپیہ شوبھا کے حوالے کر دیا۔ اور بولی۔" میں باہر پارک میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"اچھا" کہہ کر شوبھا جلدی سے لالی کے اسٹول کے گرد اکٹھا

ہونے والے مجمع میں غائب ہو گئی . . .

رسنا کو اپنی سہیلی شوبھا سے بہت محبت تھی۔ مگر لالی کو وہ بھی دل ہی دل میں چاہتی تھی۔ اور اُسے لالی پر اس بات کا غصّہ بھی تھا۔ کہ وہ کیوں اُس پر شوبھا کو ترجیح دیتا ہے۔ حالانکہ ہر اعتبار سے رسنا شوبھا سے سُندر تھی۔ اُس کا رنگ گندمی مائل کھلتا ہوا تھا۔ شوبھا سانولی تھی خاموش رہنے والی تھی۔ اور رسنا چنچل اور خوش مزاج تھی۔ شوبھا دُبلی پتلی تھی۔ اور رسنا کا بدن جوانی کے رس سے بھرا ہوا تھا۔ جانے کیا بات تھی، شوبھا میں۔ ؟ کیوں لالی اُن دونوں کو دیکھ کر صرف شوبھا سے مُلطفت ہوتا تھا۔ شوبھا اُس کی اپنی دلدار سہیلی ہے مگر ہے کیا اُس میں۔ ؟ اور لالی بھی کہاں اُس پہ توجہ دینے والا ہے۔ ایسی ایسی خوبصورت لڑکیاں اُس پہ مرتی ہیں۔ بس ایسے ہی دو تین مسکراہٹیں شوبھا کو دے کر اپنے سے الگ کر دے گا۔ ہائے ہائے لالی کی تو ایک مسکراہٹ بھی بہت ہے وہ اُسے کیوں نہ ملی۔ رسنا کو اپنی سہیلی پہ غصّہ آنے لگا۔

کارنیوال سے نکل کر وہ مُلحقہ کارنیوال پارک میں ہولے ہولے گھومنے لگی . . .

آم کے بہت کچے اور داہٹ لئے پتوں سے کیسی کھٹی کھٹی خوشبو آ رہی ہے، اور اشوک کے پیڑوں کی قطار کے پیچھے کارنیوال کی رنگین روشنیوں کے ہنڈے چمک رہے ہیں، مائم کریک سے گزرنے والی ریلوے لوکل کی سیٹی سنائی دیتی ہے۔ ایک لمحے کی خاموشی میں بوگن ویلیا کی شاخ اپنے ہی پھولوں میں اُلجھ کر جھکی ہوئی گویا سمندر کی لہروں سے محبت کا کوئی مُبہم راز کہہ رہی ہے۔ لہروں کے ٹکڑوں پر جھاگ ایسی ہنسی ہے۔ ایک سنتری اُسے گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا گزر گیا ہے۔ شام کے سائے پھیلتے جا رہے ہیں۔ کارنیوال پارک کے عقب میں مچھلی والوں کے جھونپڑوں سے مچھلی کے تلنے کی تیز کراری بُو رسنا کے حلق میں چُبھ گئی ہے۔ کارنیوال کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی ہیں۔ ابھی تک شوبھا کیوں نہیں آئی۔ جا کے دیکھوں؟ رسنا واپس جانے کے لئے فیصلہ کر رہی رہی تھی۔ اتنے میں اُس نے دیکھا کہ شوبھا گھبرائی ہوئی مُڑ مُڑ کر پیچھے دیکھتی ہوئی اُس کی طرف بھاگتی ہوئی

چلی آرہی ہے۔ رسنا نے کسی قدر تلخ ہوکر اُس سے پوچھا۔

"کہاں رہ گئیں تھیں تم۔؟"

شوبھا غصے سے پیچھے مڑ کر ہانپتی ہوئی بولی۔

"تمہیں معلوم نہیں ... چوتھے چکر میں جب لالی نے مجھے اپنی جیب سے ٹماٹر خرید کر دیا تو کیا دھمال مچایا اُس عورت نے۔؟"

"مسز ہوشنگ بائی نے۔؟"

"ہاں اور کون ہوتی۔؟ بوما بوم مارنے لگی۔ میں بھاگ کر ادھر آئی۔ تو میرے پیچھے ادھر بھی آرہی ہے۔ میں نے کیا کہا تھا سالی سے جو میرے پاس آ کے سالی بوما بوم کرنے لگی ہے۔"

"بڑی بلکٹ ہے۔ آؤ شوبھا۔ بھاگ چلیں۔ رسنا شوبھا کا پلو کھینچ کر بولی۔

"کم آن۔"

رسنا شوبھا کا پلّو کھینچنے لگی۔ مگر شوبھا نے غیر متوقع غصّے سے اپنا پلّو چھڑا لیا۔ اور برافروختہ ہو کے بولی۔ "واہ رسنا میں نے کیا کیا ہے۔ جو بھاگ جاؤں۔ اُس سے اس طرح ڈر کے۔"

"چلو بھی، خوامخواہ کوئی لفڑا ہو جائے گا۔"

"ہونے دو۔" شوبھا ضد کرتے ہوئے بولی۔ "میں تو یہیں کھڑی ہوں۔"

اتنے میں ہوشنگ بائی ہانپتی ہوئی آگئی۔ رخساروں پر دو لال لال دھبے غصّے سے دہک رہے تھے۔ شوبھا کو دیکھ کر اُس نے سینڈل اُتارا ہی تھا۔ کہ رسنا کو شوبھا کے قریب کھڑا دیکھ کر رُک سی گئی۔

سوچا ہوگا، کہ دو سے مقابلہ مشکل ہے۔ اس لئے ہاتھ روک کر بولی "بھاگ کیوں رہی تھیں۔ میں نہیں کھا نہ جاتی۔ پر اتنا ضرور بولتی ہوں۔ پھر کبھی میرے شو میں نہ آنا۔ نہیں تو اچھا نہیں ہوسکے گا۔ ہر جات کی چھوکری میرے شو میں آتی ہے۔ پر گڑبڑی کرنے والی چھوکری دوبارہ نہیں آ سکتی۔ آؤٹ۔؟ مسز ہوشنگ بائی نے ایک ہاتھ کمر پہ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے کانیوال پارک سے باہر نکل جانے کا اشارہ کرتے ہوئے شوبھا سے یہ کہا۔" گیٹ آؤٹ کر دوں گی۔ ؟ سمجھ گئی۔؟"

شوبھا بولی۔ "کیا مجھ سے بات کرتی ہو۔؟"

"ہاں تم سے تمہارے ایسی نوکر پیشہ چھوکری۔ تم۔ جو آ کے میرے دھندے کو خراب کرتی ہو۔؟"

"میں نے کیا کیا۔؟" شوبھا چمک کر بولی۔ "ٹکٹ لے کر میں ٹائیگر کی پیٹھ پر تو بیٹھی۔ میرے پیچھے گھوڑے کی پیٹھ پر کوئی دوسری چھوکری بیٹھی تھی۔ لالی پہلے اس سے بات کرتا رہا۔ پھر میرے پاس آ گیا۔ میں اسے بلانے نہیں گئی تھی۔"

"مر گئی تھی۔ یاد آیا۔ ایک ہی بات ہے۔" مسز ہوشنگ دھمکی آمیز لہجے میں اپنی انگلی اٹھا کر آہستہ تہدیدی انداز میں شوبھا کے منہ کے قریب ہلاتے ہوئے بولی۔

"مجھے پولیس میں جانے کا نہیں ہے۔ لائسنس گنوانے کا نہیں ہے۔ دیکھو میں تجھ کو صاف صاف بولتی ہوں۔ سالی تمہارا ٹکا کرنے

والی۔"

"سالی تم۔"

"تم میرے شو میں کبھی نہیں آنا۔ میرے بارکر کو پھانسنے کی کوشش کرتی ہے۔ شرم نہیں آتی۔"

"کیا۔ کیا کہا تم نے۔ ؟" شوبھا غصے سے آگ بگولہ ہوگئی۔

مسز ہوشنگ نے زور سے اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر مارا۔

"کیا سمجھتی ہے میرے مستک میں آنکھیں نہیں ہیں۔ جھولا جتنا رہتا ہے۔ پر مجھے سب نظر آتا رہتا ہے۔ بول لالی تیرے سنگ کیا مذاق کر رہا تھا۔ بول سالی ہلکٹ۔"

شوبھا کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ وہ کمزور لہجے میں بولی "اس نے مجھ سے کوئی مذاق نہیں کیا۔ میں کسی مرد کا مذاق پسند نہیں کرتی۔ شوبھا سے آج تک کسی نے ایسا مذاق نہیں کیا۔"

"چپ جھوٹی۔ میں خود دیکھ رہی تھی۔ وہ ہر چکر میں تیرے سنگ لگا لگا رہا۔"

"وہ لکڑی کے ٹائیگر سے لگا تھا۔ جس پر میں بیٹھی تھی۔ یہ اس کی پرانی عادت ہے تم بھی جانتی ہو۔" شوبھا بولی "میں کیا کر سکتی ہوں۔ اگر وہ تمہارا بارکر ٹائیگر سے لگا لگا جھول رہا تھا۔ تو میں کیا کرتی۔ ؟ اس نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔"

"نہیں لگایا۔" مسز ہوشنگ بائی چیخ کر بولی کل کو یہ بھی کہو گی۔ کہ اس نے تمہاری کمر میں ہاتھ نہیں ڈالا۔؟"

اب رسنا کو بھی غصہ آگیا۔ وہ شوبھا کے جواب دینے سے پہلے ہی فوراً آگے بڑھ کے بولی۔

"اچھا ڈالا۔ تو پھر تمہیں کیا۔؟"

مسز ہوشنگ بولی۔ تم چپ رہو۔ میں تم سے بات نہیں کرتی ہوں۔ تم بیچ میں مت بولو۔"

"کیوں نہ بولوں۔ یہ میری سہیلی ہے۔" رسنا غصے سے بولی "تو اکیلی سمجھ کے اس کے سر پر چڑھی آرہی ہے۔ اب میں تم سے بولتی ہوں۔ لالی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا تھا۔ وہ چکر گھماتے ہوئے ہر لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور بہت سی لڑکیاں جان دیتی ہیں لالی پر۔ کیا تم نہیں جانتی ہو۔ وہ کتنا پاپولر ہے چھوکریوں میں۔"

مسز ہوشنگ بائی دانت پیس کر بولیں "وہ آئندہ کسی کی کمر میں ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ یہ اس کو میں بتادوں گی۔ ایسا دھندا میرے شو میں نہیں چلے گا۔ نہیں چلے گا۔ تجکو ایسا نخرا کرنے کا ہے۔ تو باہر کے سرکس میں جاؤ۔ ادھر باندرے کا بہت بیرا لوگ تم کو ملے گا۔"

"تم اپنا بیرا اپنے پاس رکھیو۔" شوبھا بولی۔

"ہاں ہم کوئی ایسا ویسا چھوکری نہیں ہے۔" رسنا نے بھی ڈانٹ کر کہا۔

دونوں کو لڑنے مرنے کے لئے تیار دیکھ کر مسز ہوشنگ بائی نے ذرا سا لہجہ بدلا۔ پورا نہیں بدلا۔ کیونکہ وہ بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔ مگر ذرا سا

لہجہ بدل کر بے حد طنز بھرے لہجے میں اُس نے کہا۔ "مطلب یہ ہے مس صاحب۔ یہ آج کے بعد میرے شو میں گھسنے کا نہیں ہے۔ تمہارے ایسی چھوکری لوگ کے لئے میرا لائسنس ضبط ہو جائے گا۔ تو کھرچہ تم بھریں گا۔؟ اس لئے تم کو سیدھے سبھاؤ بول دیا ہے۔ آؤٹ۔"

شوبھا نے بھی اب دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لئے۔ بولی "تمہارے آوٹ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا میم صاحب۔ جب ہماری مرضی ہوگی۔ ہم پیسہ خرچ کریں گے۔ دو روپیہ کا ٹکٹ لیں گے۔ اور جھولا جھولیں گے۔ کسی کی مجال ہے جو ہمیں روکے۔"

"ذرا آکے دیکھو مائی ڈیئر۔ بس جرا آکے دیکھو۔" مسز ہوشنگ نے ایک قدم شوبھا کی طرف بڑھایا۔

"ہاں۔ ہاں ہم بھی آکے دیکھیں گا۔" "کیا ہو جائیگا۔" رسنا نے پوچھا۔

"پھر وہ ہو جائیگا۔ جو آج تک اس کارنیوال میں کبھی نہیں ہوا۔"

شوبھا بولی "تو کیا تجھے شو سے باہر نکال دو گی۔"

"جرور۔"

"پر میم صاحب۔" رسنا بولی۔ "ہم دونوں تم سے جوان ہیں۔ تگڑی ہیں۔"

مسز ہوشنگ بائی طنزاً ہنس کر بولی۔ "میں تم کو ہاتھ لگاکے اپنے ہاتھ گندے کروں گی نئی۔ میں تو لالی سے کہہ کر تمہیں شو سے باہر نکلوادوں گی۔"

"اور لالی تمہارے کہنے پہ ہمیں باہر نکال دے گا۔" شوبھا نے پوچھا۔

"اتنی جلدی کہ تم آنکھیں ملتی رہ جاؤ گی۔"

شوبھا نے کہا "وہ مجھے باہر نکال سکے" ایکا ایک وہ کسی کو آتے دیکھ کر چپ ہو گئی۔

اُسے چپ ہوتے دیکھ کر رسنا اور ہوشنگ بابا دونوں کی نگاہ اُدھر گئی۔ جدھر شوبھا دیکھ رہی تھی۔

یہ لالی تھا جو تین چار لڑکیوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹھولی کرتا ہوا پارک میں چلا آرہا تھا۔ اور وہ لڑکیاں بھی برابر اُس سے مذاق کرتی ہوئی کھی کھی ہنستی ہوئی۔ اُس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی، بھاگتی ہوئی، اُسے گھیرتی ہوئی چلی آرہی تھیں۔ کہ ایکا ایک لالی ٹھٹھک کر بولا "بس ہو گیا۔ بھاگو نہیں تو ایک دوں گا۔"

ایک لڑکی بولی "اونہہ۔ میرا ریشمی رومال تو واپس دو۔"

"نہیں دوں گا۔ بھاگو۔"

اتنے میں دوسری لڑکی چلا پڑی "اچھا اس کا رومال مت دو۔ میرا اسکارف تو واپس کر دو۔"

"اسکارف واپس کر دوں۔ کیوں کر دوں۔ واہ اچھی بات ہے۔"

"اسکارف دے دو۔ اچھے لالی۔" اس لڑکی نے منت سماجت کی۔ اتنے میں اُس لڑکی نے مسز ہوشنگ کو دیکھ لیا۔ وہ پلٹ کر اُس سے کہنے لگی۔

"مسز ہوشنگ اپنے بار کر کو بولو۔ میرا اسکارف دے۔"

دوسری لڑکی فوراً بول اُٹھی "اور میرا ریشمی رومال۔" اتنے میں لالی نے خطرناک انداز سے ہاتھ اُٹھا کر لڑکیوں کی طرف دھمکی کے انداز سے دیکھ کر کہا "جاتی ہو کہ دوں ایک ہاتھ۔"

لالی کے ہاتھ اٹھاتے ہی سب لڑکیاں چیختی چلاتی تتر بتر ہو گئیں۔ کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ موقع ملنے پر لالی ایک ہاتھ جڑھا بھی دیتا ہے۔

مگر اس وقت بھاگتی ہوئی لڑکیوں کے دل میں یہی حسرت رہ گئی شاید کہ اُس نے کسی ایک کے ہاتھ کیوں نہیں دیا۔

مسز ہوشنگ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ اُس نے کچھ پیار کچھ غصّے سے لالی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ کیا دھمال ہے۔؟"

مگر لالی نے اُسے فقرہ پورا نہیں کرنے دیا۔ ڈپٹ کر بولا۔ "تمہیں کیا ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔" پھر شوبھا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"پھر تم نے ہی جھگڑا شروع کر دیا یہاں بھی۔؟"

شوبھا بلند آواز میں بولی۔ "مگر لالی اگر میں نے کچھ۔"

فوراً لالی اُسے ڈپٹ کر بولا۔ "چلاتی کیوں ہے۔؟"

شوبھا کی آواز کمزور پڑ گئی۔ خوف سے اُس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔ آنکھوں میں آنسو اُمڈنے لگے۔ دھیرے سے بولی۔ "مگر میں تو کچھ نہیں کہہ رہی ہوں۔"

لالی کو اُس کی آواز ریشم کی طرح ملائم معلوم ہوئی۔ اُس کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا۔

اُس نے بھی نرم پڑتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے کچھ مت کہو۔"

اب اُسے پورے غصّے سے جھنجھلاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ اُس نے مسز ہوشنگ کی طرف رُخ کیا۔ "پھر کیا لفڑا ہے۔؟"

مسز ہوشنگ نے لالی سنہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر۔ گویا اُس پر اپنی ملکیت جتا کر بڑی ادا سے اِٹھلاتے ہوئے کہا۔" آں۔ لالی بات بس اتنی ہے کہ یہ چھوکری جب آتی ہے۔ میرے شو میں میری انسلٹ کرتی ہے۔ آں ہم نے اس کو بول دیا ہے۔ اور اب تم بھی اچھی طرح سے پہچان لو۔ اس کو کبھی میرے شو میں اندر مت آنے دینا۔

لالی نے اپنے ہاتھ سے مسز ہوشنگ کے گورے چِٹے بھرے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے تھپتھپایا اور شوبھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا" سن لیا تم نے۔ ؟ اب بھاگو یہاں سے۔" پھر چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔" بھاگو۔ بھاگو یہاں سے۔"

رسنا نے شوبھا سے کہا" اب سن لیا تم نے۔ ؟ کم آن۔

مسز ہوشنگ فتحیابی کے جذبے سے مسکرانے لگی۔

رسنا شوبھا کو گھسیٹ کر پرے لے جانے لگی۔ مگر شوبھا اڑ کر کھڑی ہو گئی۔ رسنا سے بولی۔" نہیں میں نہیں۔" اُس نے ابھی رسنا سے اپنی بات پوری بھی نہیں کی تھی۔ کہ ہوشنگ نے شوبھا کو جلانے کے لئے لالی سے دوبارہ کہا۔" ہاں لالی۔ اگر دوبارہ آئے۔ تو اندر مت آنے دینا۔ اور اگر یہ کسی طرح ٹکٹ لے کر اندر گھسنے کی کوشش بھی کرے۔ تو اس کو باہر دھکا دینا۔ سمجھے۔ ؟"

"ہاں۔" لالی نے اچانک شوبھا کی بڑی بڑی پھیلتی ہوئی پتلیوں کو

آنسوؤں میں ڈبڈباتے دیکھ کر پوچھا۔ "پر اس نے کیا کیا ہے۔؟"

قاعدے سے شوبھا ایسی لجا نے شرمانے والی لڑکی کو اس وقت یہاں سے چلا جانا چاہیئے تھا۔ مگر جانے اُس کے دل میں کیا بات آ گئی تھی۔ جو وہ اس وقت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بڑی گہری نگاہوں سے لالی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لالی صاحب مجھے ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ اگر میں آپ کے شو میں آؤں۔ تو کیا مجھے نکال دو گے۔۔؟"

مسز ہوشنگ بولی۔ "فوراً نکال دے گا۔"

رسنا نے مسز ہوشنگ سے کہا۔ "اُس نے تم سے نہیں پوچھا ہے۔"

لالی کو چپ دیکھ کر شوبھا نے پھر سے مخاطب کیا۔ ٹھیک ٹھیک میرے مُنہ پر بول دو۔ کیا مجھے نکال دو گے؟" اتنا کہتے کہتے وہ لالی کے بالکل قریب آ گئی۔

لالی اس طرح کے آمنے سامنے سے بہت گھبرایا۔ وہ ایک پاؤں سے اپنا دوسرا پاؤں کھجانے لگا۔ وہ خوش دل۔ اوپری سطح پر مذاق کرنے والا آدمی تھا۔ آج تک کبھی ان گہرے پانیوں میں نہ اُترا تھا۔ مگر اُس سانولی کی باتوں میں کس قدر گہرائی ہے۔ اس معمولی سے سوال کے ساتھ اُس نے جذبات کی ایسی رَو لگا دی تھی۔ جو اُس کے دل کے قریب سے گزر رہی تھی۔ مگر اُس نے سر ہلا کے ان جذبات کو پرے دھکیل دیا۔ اور نرم آواز میں کہنے لگا۔

"ہاں منیا۔ اگر تم نے کوئی بے قاعدے بات کی۔ تو ضرور نکال دوں گا۔

ورنہ کیوں نکالوں گا۔"

اس پر رسنا کو موقع مل گیا۔ کیونکہ لالی نے شوبھا کو تھوڑا سا سہارا دیا تھا۔ وہ فوراً مسز ہوشنگ بائی سے بولی "سُن لیا۔؟"

شوبھا لالی کا جواب سن کر مسکرا دی تھی۔ اور اب اُس نے اپنی آنکھیں نچا کر مُنہ پھیر لیا تھا۔ مسز ہوشنگ بائی کو اس بات پر بے حد غصّہ آ گیا۔ وہ بپھر کر لالی سے بولی۔" اور میں کہتی ہوں۔ یہ رنڈی اگر دوبارہ میرے شوہر گھسی تو تم کو اسے باہر نکالنا پڑے گا۔ اس کا لفڑا میرے شوہر نہیں چلیں گا۔"

لالی تنک کر بولا" لفڑے سے کیا مطلب ہے تمہارا۔؟"

"میں نے سب دیکھ لیا ہے۔" مسز ہوشنگ کی آواز تھرآنے لگی۔ "اپنی آنکھوں سے سب دیکھ لیا ہے۔"

شوبھا بولی "یہ بولتی ہے۔ میں نے تم سے مذاق کیا۔ اور تم نے۔ میری کمر میں ہات ڈالا۔"

"میں نے۔؟"

"ہاں ہاں تم نے۔؟" مسز ہوشنگ گرج کر بولی۔" اتنے بھولے مت بنو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

لالی نے مسز ہوشنگ کا ہات اپنے ہات سے الگ کر دیا۔ سیدھا کھڑے ہو کر بولا" واہ یہ نوی بات سنائی تم نے میں چھوکری لوگ سے مذاق نہیں کروں گا۔ اور کروں گا۔ تو پہلے تم سے اجازت لوں گا۔ ہونہہ۔" معاملہ بگڑتے دیکھ کر مسز ہوشنگ لہجہ بدل کر بولی۔" میں نے یہ

کب کہا ہے۔ تم چھوکری لوگ سے بے شک مذاق کرو۔ دس سے مذاق کرو بیس سے چھیڑ کھانی کرو۔ پچاس سے مشکری کرو۔ پر اِس سے نہیں۔ (شوبھا کی طرف اشارہ کرکے اُس نے دوبارہ کہا) اِس چھنال سے کبھی نہیں۔ اور سب سے۔ پر اِس سے نہیں۔ کبھی، ہے (کبھی) نہیں۔"

مسز ہوشنگ بائی نے ایسی قطعیت سے حکم دیا۔ کہ لالی کو اُس پر تاؤ آ گیا۔

حالانکہ وہ مسز ہوشنگ کا ملازم تھا۔ مگر ایسی سختی سے اُس نے ڈانٹ کر یہ حکم دیا تھا کہ لالی کو غصہ آ گیا۔ مگر اُس نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا "اب آپ چپ ہو جاؤ۔ میم صاحب۔"

لہجہ نرم تھا۔ مگر نرم لہجے کے اندر جو تلخی چھپی ہوئی تھی۔ اُسے مسز ہوشنگ نے محسوس کر لیا۔ گرج کر بولی۔

"کیا۔؟"

"شٹ اپ۔؟" لالی بولا "واپس جاؤ اپنے بونٹر پر۔"

مسز ہوشنگ کو اپنے کانوں پہ اعتبار نہ آیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ کر بولی "کیا کہا۔؟"

"آخر اس بے چاری نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" شوبھا کی طرف رحمانہ نظروں سے دیکھ کر بولا "دیکھتی نہیں ہو کیسی کبوتری کی طرح سہمی تمہارے سامنے کھڑی ہے۔" لالی نے آگے بڑھ کر شوبھا کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "آؤ جی تم۔ جب تمہارا جی چاہتا ہے۔ آ جاؤ ہمارے شو

میں ٹائیگر پر بیٹھو۔ زرّاف پر بیٹھو۔ ہرن پر۔ مچھلی پر۔ جھوٹے کے جس جانور پر جی چاہے بیٹھو۔ ٹکٹ کے دام نہ ہوں۔ تو بھی کوئی پروا نہیں ہے۔ لالی تمہارے ٹکٹ کے پیسے دیگا۔ اپنی جیب سے۔ اور اگر کسی نے بھی تمہاری طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔"

شوبھا کا چہرہ پھول کی طرح کھلتا جا رہا تھا مسز ہوشنگ بائی کا چہرہ خزاں رسیدہ پتّے کی طرح مرجھاتا جا رہا تھا۔ آخر اُس سے نہیں رہا گیا۔ وہ چلّا کر لالی کو گالی دینے لگی "سالا بدمعاش۔"

"سالی بڈھی۔"

"تھینک یو لالی صاحب۔" رسنا نے بروقت لقمہ دیا۔ مسز ہوشنگ اس فقرے سے جھنجھلا کر رہ گئی۔

غضب ناک ہو کر بولی "کیا سمجھتے ہو۔ کیا۔؟" اُسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ "تم سمجھتے ہو کہ۔ کہ تم سے اچھا بار کر۔ تم سے اچھا مجمع باز کوئی نہیں ہے۔ ادھر۔ ادھر کار نیوال کے باہر۔" وہ اپنے دونوں ہاتھ موٹی بھاری کمر پر رکھ کر بولی۔

"باہر ایک سے ایک فرسٹ کلاس بارکر کھڑا ہے۔ میں کسی کو بھی لے سکتی ہوں۔ جب چاہوں تمہیں نکال سکتی ہوں۔ بس سمجھ لو آج سے تمہارا نوکری خلاص ہو گیا۔"

جذبات کی رو میں بہہ کر مسز ہوشنگ بائی بولتی چلی گئی۔ شوبھا کو لالی کے قریب کھڑا دیکھ کر۔ اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

وہ یہاں تک بولتی چلی گئی۔ کہ اُس نے لالی کو نوکری سے الگ بھی کر دیا تھا۔ اب سوچنے لگی۔ تو خیالات کا دھارا دوسری طرف چل پڑا۔ لالی کے دم سے اُس کا شو چلتا ہے۔ لالی سے اچھا بار کر اُسے کہیں ملے گا۔ ٹھیک ہے وہ چھوکریوں کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ مگر چھوکریاں ٹکٹ بھی تو خریدتی ہیں۔ ٹوٹ کر گرتی ہیں اُس کے بوتھ پر۔ وہ کسی دوسرے میں بھی جا سکتی ہیں۔ مگر لالی کی وجہ سے بار بار اُسی کے بوتھ پر آتی ہیں۔ اُس کا بوتھ اس کارنیوال میں سب سے زیادہ کمائی کرتا ہے۔

لالی نے مسز ہوشنگ بائی کی بات سُن کر بالکل بُرا نہیں مانا۔ جانے کیوں ؟ بے حد سنجیدہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے ہمارا نوکری ہو گیا خلاص۔ پھر ــ؟"

مسز ہوشنگ بائی نے نرم پڑتے ہوئے کہا۔ "کیا سمجھتے ہو جب چاہوں تم کو جواب دے سکتی ہوں۔" مگر لہجے میں اب وہ گرمی نہیں تھی۔ لالی بولا۔ "اچھا ٹھیک ہے۔ ہم کو مل گیا جواب۔ بس ختم کرو۔" اتنا کہہ کر اُس نے شو بھا کی کمر کو اپنے ہاتھ سے ذرا سا چھو لیا۔ مسز ہوشنگ بائی پھر بھڑک کر بولی۔

"سالے بہت خراب ہو رہا ہے تیرا آج کل۔ کمینے۔ آوارہ۔"

لالی ہنس کر بولا۔ "جب جواب دے دیا۔ تو پھر گالیاں کیوں دے رہی ہو۔"

مسز ہوشنگ کے لئے اب تھوک کر چاٹنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

پھر بھی کوشش کرتے ہوئے بولی "یہ کوئی بات ہے۔ بھلا یہ کوئی بات ہے جو بات میرے منہ سے نکلے تم اُس کو فوراً پکڑ لیتے ہو۔ یہ کدھر کا انصاف ہے۔"

مسز ہوشنگ بائی کو کمزور پڑتے دیکھ کر لالی اُونچا اُڑنے لگا۔ پُر اعتماد لہجے میں بولا "بس۔بس۔ ٹھیک ہے۔ میں کمینہ ہوں۔ آوارہ ہوں۔ میری نوکری خلاص ہوگئی۔ مجھے جواب مل گیا۔ ختم۔"

مسز ہوشنگ وہ ہانسی ہو کر بولی۔ "تو میرا بزنس برباد کر کے رہے گا کیا۔ ؟ بے شرم۔"

"بے شرم ہوں۔ کمینہ ہوں۔ آوارہ ہوں۔ اور کچھ۔ ؟"

مسز ہوشنگ بائی کے آنسو اُس کے موٹے گالوں پر اُتر آئے۔ اُس کے میک اَپ کو برباد کرتے ہوئے نیچے بہنے لگے۔ وہ روتی ہوئی بولی۔ "وہ اُوپر والا۔ تم سے سمجھے گا۔" اُس نے اوپر آسمان پر رہنے والے خدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس وہی اوپر والا تم سے سمجھے گا۔"

پھر شوبھا کی طرف دیکھ کر، دانت پیس کر بولی "اور بولتے بولتے اُس کا چہرہ بگڑ گیا۔ "تم ہی ہو۔ اور اس کمینی کتیا سے۔"

لالی نے ڈپٹ کر فوراً کہا "اس کی بات مت کرو۔ مجھے جو جی چاہے کہہ لو۔ مگر اس کی بات مت کرو۔" لالی نے اپنے چوڑے کندھے اور پھیلائے۔ شوبھا سمٹ کر اُس کے کندھے نیچے آگئی۔ مسز ہوشنگ

بائی اپنے آپے سے باہر ہو گئی۔ تیز تیکھے لہجے میں بولی۔ "سمجھتا کیا ہے۔ کارنیوال میں تم سے اچھا بار کرا اور کوئی نہیں ہے۔ میں تیری ہی جگہ رحمان کو لونگی۔"

"رحمان کو لو۔ بار کر کو یا کسی اور کو۔ اپن کو تو ہو گئی چھٹی۔" لالی چٹکی بجا کر بولا۔ "اور اب میم صاحب۔" وہ دوبارہ چٹکی بجا کر بولا۔ "اب تم بھی کرو چھٹی۔ یہاں سے۔ چلو۔ بھاگو۔"

لالی کو غصہ آنے لگا۔ معاملے کو یہاں تک بگڑتے دیکھ کر اب شوبھا بھی ڈر گئی۔ چند لمحے وہ لالی کے چوڑے کندھوں سے سر لگائے مدہوش سی ہو گئی تھی۔ اب اُسے دُنیا کا خیال آنے لگا۔ لالی کی نوکری کا . . . .

وہ ذرا الگ ہو کر نرمی سے کہنے لگی۔ "پر لالی صاحب اگر یہ . . . — یہ آپ کو واپس لینے کے لئے تیار ہیں — تو — تو —"

"تم چپ رہو جی۔" لالی نے اُسے ڈانٹ دیا۔ مگر شوبھا پھر کہنے لگی۔ "پر میں نہیں چاہتی میری خاطر کوئی جھگڑا۔"

اس پر لالی ہوشنگ بائی کی طرف ایک قدم بڑھا کر بولا۔ "مسز ہوشنگ۔ اس لڑکی سے معافی مانگو۔"

"کون میں۔؟ معافی۔؟ — اس چھوکری سے۔؟" مسز ہوشنگ نے تیز سے تیز تر لہجے میں پوچھا۔

"ہاں اس ننھی کبوتری سے۔" لالی نے زور دے کر کہا۔ "بولو معافی مانگتی ہو تو میں واپس آتا ہوں۔"

مسز ہوشنگ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ لالی کی بات سُن کر وہ چند

لمحے چپ رہی۔ اُس نے بہت کوشش کی بہت کوشش کی کہ اپنے جذبات کو دبائے اور بزنس کے طریقے سے بات کرے۔ پر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ایک دم پھٹ پڑی ”کون ہیں۔؟ لالی اگر تم یہ سارا پارک۔ یہ سارا کارنیوال۔ مجھے چاندی کی تھالی میں سجا کر پیش کرو۔ اگر تم ہندوستان کا سارا سونا جمع کر کے میری جھولی میں ڈال دو۔ تو بھی میں اس چھوکری سے معافی نہیں مانگوں گی۔ میں تو یہ کہتی ہوں۔ لاسٹ وارننگ — سن لے چھوکری۔ اگر تو کل سے میرے شو میں آئے گی۔ تو تجھے اس سینڈل سے — تیری ایسی مرمت کروں گی۔ کہ دن میں تارے نظر آئیں گے۔“ مسز ہوشنگ نے بات کہتے کہتے اپنی سینڈل نکال کے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اب اُسے گرا کر پھر پاؤں میں پہننے لگی — کیوں کہ اب سب ختم ہو گیا تھا۔ لالی کا چہرہ سُرخ ہو چلا تھا۔ اُس نے اپنی گولڈ لیس والی چھجے دار پارکر ٹوپی اُٹھا کر اپنی پرانی مالکن کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تو سلام میم صاحب — رام رام میم صاحب — گڈ نائٹ —— آپ کا راستہ یہ رہا۔ میرا وہ۔ آپ اپنے راستے پر چلی جائیے۔ مگر ذرا جلدی — میرا مطلب ہے کہ ذرا جلدی — اگر آج آپ نے دیر کر دی — تو — حالانکہ، مجھے عورتوں پر ہاتھ اُٹھانے کی عادت نہیں ہے۔ بس ایک دفعہ بھیکا بائی نے اڑی باجی کی تھی۔ تو اُس کو ایسا پھینٹا دیا تھا۔ کہ بائیس روز ہسپتال میں رہی تھی۔ اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا ایسا حال نہ ہو تو

"ذرا جلدی ۔۔۔ ذرا جلدی ۔۔"

مسز ہوشنگ بائی نے سینڈل پہن لیا۔ جاتے جاتے بولیں۔

"ویری ویل۔ آج سے تمہارا جاب خلاص۔ آج کے بعد کبھی میرے پاس نوکری مانگنے نہ آنا۔ فی نش (Finish) ۔۔"

فی نش کہہ کر مسز ہوشنگ بائی غصے میں ۔۔۔ وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد کئی لمحوں تک عجیب سا سناٹا رہا۔ ایکا ایک شوبھا کو لگا۔ جیسے چاروں طرف رات کا اندھیرا بڑھنے لگا ہے۔ وہ گھبرا کر بولی ۔۔

"لالی صاحب ۔۔"

"لالی صاحب ۔۔" رسنا نے بھی حیرت زدہ ہو کر کہا ۔۔ "یہ آپ نے کیا کیا ۔ ؟"

لالی نے غصے سے رسنا کو جھڑک دیا۔ "مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ ایک دوں گا۔"

لالی نے ہاتھ اٹھا لیا۔ رسنا سہم گئی۔ لالی نے پھر غصے سے شوبھا کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔ "کیا تجھے بھی مجھ پر دیا آ رہی ہے ۔"

"نہیں لالی صاحب ۔"

"جھوٹ بولتی ہے۔ تمہارے چہرے پر دیا لکھی ہے۔ تم سوچ رہی ہو۔ آج لالی کو مسز ہوشنگ نے جواب دے دیا۔ تو اب یہ بیچارہ کہاں جائے گا۔ کیا کرے گا۔ بھیک مانگے گا ۔۔ ؟ ایں ۔۔ ؟" لالی ہنسنے

پھر ایک دم چپ ہو کر بولا ”لالی ایسا کمزور نہیں ہے“
پھر شوبھا کی ٹھوڑی اپنی طرف گھما کر بولا ”میری طرف دیکھو کیا میں
مسز ہوشنگ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ ایسی کونسی نوکری ہے میں
اس سے بھی بڑی بڑی نوکریوں سے نکالا گیا ہوں منیا“
”مگر اب تم کیا کرو گے۔؟“ شوبھا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
”اب۔؟ اب۔؟“ لالی کہنے لگا۔ سب سے پہلے تو میں اب کہیں
جا کر ٹھرا پیوں گا“
”اس کا مطلب ہے۔“ شوبھا بولی ”تم سچ مچ پریشان ہو۔“
”پریشان اس لئے نہیں ہوں۔ کہ نوکری سے نکالا گیا ہوں۔ بلکہ اس
لئے پریشان ہوں۔ کہ ٹھرا کہاں سے ملے گا“
رسنا کو یاد آیا۔ بولی ”وہ تو“ پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گئی۔
”وہ تو کیا۔؟“ لالی نے پوچھا۔
رسنا نے رنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا ”لالی صاحب
کیا ہمارے ساتھ چلو گے۔؟“
وہ ”ہمارے“ کی جگہ ”میرے“ کہنا چاہتی تھی۔ مگر شوبھا کا منہ دیکھ کر

سے پوچھا ”کیا تم ٹھرے کی بوتلی کے پیسے دو گی؟“
رسنا کچھ بے بس سی نظر آنے لگی۔ لالی نے گھوم کر شوبھا
اس نے بھی آنکھیں جھکا لیں۔ آخر لالی نے شوبھا سے

پوچھ لیا۔ "کیا تم دوگی۔" جب اُس پر بھی شدبھا چپ رہی تو لالی نے اُس سے پوچھا۔

"تمہارے پرس میں کتنے پیسے ہیں۔؟"

شوبھا ہچکچا کر بولی۔ "آٹھ آنے۔"

لالی نے رسنا کی طرف مڑ کر بولا۔

"تمہارے پاس کیا ہے۔"

رسنا نے آنکھیں جھکالیں۔ مُنہ سے کچھ نہ بولی۔

تو لالی نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "میں پوچھتا ہوں تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں۔؟"

رسنا سسکنے لگی۔ لالی سمجھ گیا۔ ایک دم اُس کا غصّہ ختم ہو گیا۔ نرم ہو کر بولا۔

"رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم دونوں یہیں رُکو۔ میں کار نیوال سے اپنے کپڑے اور دوسری چیزیں لے کر آتا ہوں۔ میں واپس آؤں گا تو کچھ رقم ہی سے کر آؤں گا۔ مجھے تمہارے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا کہہ کر وہ چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد چند لمحے دونوں سہیلیوں میں خاموشی رہی۔ رسنا نے سوچا۔ اُس نے دونوں کو رُکنے کے لئے بولا ہے۔ صرف شوبھا کو ہی نہیں کہا ہے۔ دونوں کو رُکنے کو بولا ہے۔

کاش آج اگر اُس نے سارے پیسے خرچ نہ کر دیئے ہوتے تو شوبھا کو نہ دے دیئے ہوتے۔ تو اس وقت وہ لالی کو سے کر رہا سکتی تھی — کیسا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر شوبھا کا اُداس ملول چہرہ دیکھ کر اُس کا دل پگھلنے لگا۔ میں ایسی باتیں اپنی سہیلی کے لئے سوچ سکتی ہوں۔ اُس نے بڑی ہمدردی سے شوبھا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "تمہیں اُس کی نوکری جانے کا دُکھ ہے نا —؟"

"کیا تمہیں نہیں ہے۔؟" شوبھا نے پوچھا۔

"تھوڑا سا۔۔" پھر شوبھا کے قریب آکر بولی۔ "پر تم اُس کی طرف ایسے کیوں دیکھ رہی تھیں۔"

"کچھ نہیں ۔۔۔" شوبھا نے ایک آہ بھری اور چپ ہو گئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ "ہمارے لئے اُس نے نوکری چھوڑ دی ۔۔۔"

"ہمارے لئے نہیں۔ تمہارے لئے۔" رسنا نے بے حد صاف گوئی سے کہہ دیا۔ اُسے خود اپنے جملے پر حیرت ہوئی۔

شوبھا اُس کی بات سُن کر چونکی۔

"میرے لئے۔ ؟ میرے لئے کیوں رسنا۔ ؟"

"شاید وہ تم سے لَو کرتا ہے۔"

"مجھ سے ۔۔ بالکل نہیں ۔۔" شوبھا نے آہ بھر کر کہا۔ "وہ کسی سے لَو نہیں کرتا ہے ۔۔ اور مجھ سے تو بالکل نہیں کرتا ہے ۔۔"

"بالکل کرتا ہے۔ اور صاف کرتا ہے ۔" رسنا نے بے جھجک لہجے میں کہا۔ اور اب جبکہ بات صاف ہو گئی تھی۔ خود اس کے ذہن میں۔ تو اب بتانے میں کیا ہرج ہے۔ رسنا نے سوچا۔ اور پھر شوبھا کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ "کوئی مجھ سے بھی لَو کرتا ہے ۔" رسنا بولی۔ "اور آج سے پہلے میں نے تم کو نہیں بتایا۔ کیونکہ تمہارا کوئی بوائے فرینڈ نہیں تھا۔ اب ہے تو بتا سکتی ہوں۔ کہ میرا بھی کوئی ہے۔" پھر بڑے ڈرامائی انداز سے بولی۔ "مائی سویٹ ہارٹ۔"

"کون ہے وہ۔ ؟" شوبھا کو مطلق دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ مگر اُس نے اپنی سہیلی کا دل رکھنے کے لئے پوچھ لیا۔ "کون ہے وہ ؟"

"ایک فوجی جوان۔ ؟"

"فوجی۔؟ کس طرح کا۔۔؟"

"اب یہ میں کیا جانوں۔ کس طرح کا۔؟"

رستا گڑبڑا گئی۔ کیونکہ اُسے بمبئی آئے چند ماہ ہوئے تھے۔

"بس ایک فوجی ہے۔ کیا فوجی بہت طرح کے ہوتے ہیں۔"

"ہاں۔" شوبھا بولی "سپاہی ہوتے ہیں۔ صوبے دار ہوتے ہیں۔ لفٹن ہوتے ہیں۔ کپتان ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے فوجی ہوتے ہیں۔"

رستا بولی۔ "تو یہ کیسے معلوم ہوگا کون کون ہے۔"

"اُن کی وردی سے۔" شوبھا بولی۔

"وردی سے۔۔؟" رستا نے چونک کر پوچھا۔ اور پھر سوچ میں پڑ گئی۔ اُس کا سر جھک گیا۔ تھوڑی دیر کے پس و پیش کے بعد پوچھنے لگی۔ "تو کیا ٹرام چلانے والے جو وردی پہنتے ہیں وہ بھی فوجی ہوتے ہیں۔۔؟"

نہیں۔" شوبھا بولی۔ "وہ تو ٹرام والے ہوتے ہیں۔"

"تو بس میں ٹکٹ دینے والے وردی پوش کون ہوتے ہیں۔ فوجی۔۔؟"

"نہیں پگلی۔" شوبھا ہنس کر بولی۔ "وہ تو بس کنڈکٹر ہوتے ہیں۔"

"پھر اُن کے بھی تو وردی ہوتی ہے۔"

"ہاں ہوتی ہے۔ پر بندوق تو نہیں ہوتی۔ پستول تو نہیں ہوتا۔

"تو کیا پستول رکھنے والے پولیس کے سفری فوجی ہوتے ہیں۔"

"نہیں وہ تو پولیس والے ہوتے ہیں۔"

"مگر وردی تو وہ بھی پہنتے ہیں۔" رسنا نے اصرار کر کے پوچھا۔ اس پر شوبھا بولی۔ "ارے تم تو ابھی نئی نئی آئی ہو۔ منگلور کے ایک گاؤں سے۔ خالی سکرٹ پہننے سے کوئی عقل مند نہیں ہو جاتا۔

"پر تم سے تو ابھی بولا کہ وردی۔۔"

شوبھا تنک کر بولی۔ "وردی تو ڈاکیہ بھی پہنتا ہے۔ وردی سے کیا ہوتا ہے۔؟"

رسنا نے بحث کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "پھر اگر ایک ڈاکیہ وردی پہن کر ہاتھ میں پستول لے لے تو کیا وہ فوجی ہو جائے گا۔"

"وہ ہاتھ میں کچھ بھی لے لے رہے گا ڈاکیہ ہی۔" شوبھا فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

رسنا فوراً بولی۔ "تو فوجی اگر وردی سے پہچانا نہیں جاتا۔ پستول سے پہچانا نہیں جاتا۔ تو کس بات سے پہچانا جاتا ہے۔"

شوبھا بولی۔ "وہ پہچانا جا سکتا ہے۔" پھر رک گئی۔ اور سوچنے لگی۔ واقعی کس بات سے پہچانا جا سکے گا وہ فوجی۔

اسے تو خود بھی معلوم نہیں۔ وہ خود بھی فوجی کی صحیح تعریف نہیں کر سکتی۔ وہ بے حد گڑبڑا گئی۔ مگر اپنی لاعلمی کو رسنا کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے پینترا بدلا۔ اور رسنا سے کسی قدر حقارت آمیز

لہجے میں بولی " اوہ جانے دو ان باتوں کو۔ جب تم اس شہر میں کافی دن رہ لوگی تو خود بخود جان جاؤ گی۔ جس طرح اب میں اس شہر میں رہتے رہتے جان گئی ہوں۔

مگر رسنا کو بھی ضد چڑھی تھی۔ اس لئے وہ برابر اصرار کرتے ہوئے بولی۔ کیونکہ وہ شوبھا کو نیچا دکھانا چاہتی تھی۔

" پھر کیسے پتہ چلے کون فوجی ہے۔"

" ایک بات سے " شوبھا نے کہا۔

" کس بات سے۔" رسنا نے پوچھا۔

شوبھا نے بڑے پُر اسرار لہجے میں دُہرایا۔ " کسی ایک بات سے "

جیسے یہ اتنی اہم بات ہے کہ وہ اُسے بتانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جیسے یہ ایسا راز ہے جو رسنا کو بھی معلوم نہیں ہے۔ رسنا کو بھی اس میں اپنی بے عزّتی محسوس ہونے لگی۔ یہ جانتی ہے۔ اور مجھے بتاتی نہیں۔ کیونکہ اپنے آپ کو مجھ سے برتر سمجھتی ہے۔ جتنی تنخواہ اسے ملتی ہے۔ اتنی مجھے ملتی ہے۔ یہ اگر مجھ سے چند سال پہلے بمبئی میں آ گئی ہے تو کیا ہوا۔ میرا رنگ روپ تو اس سے اچھا ہے۔ عمر میں بے شک مجھ سے بڑی ہے۔ مگر میری جوانی ....

رسنا رُک کر بولی۔ اور بولتے بولتے اُس کی آواز روہانسی ہو گئی۔ " ٹھیک ہے کر لو مجھ سے مذاق۔ مجھے باہر گاؤں کی چھوکری سمجھ کر۔ تو میں کیا کروں۔ مجھے کیسے معلوم ہو وہ فوجی ہے۔ کہ جھوٹ بول رہی ہو تم۔ کہ

مجھے منگلوری عیسائی سمجھ کر میرا مذاق اُڑا رہی ہو۔ ٹھیک ہے، مت بتاؤ۔"

شوبھا کو رحم آگیا۔ اُس نے روتی ہوئی رسنا کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اُس کے آنسو پونچھے اور بولی "اری پگلی سُن۔ بس ایک بات سے فوجی پہچانا جاتا ہے۔ سیلوٹ۔ وہ سیلوٹ مارتا ہے۔ ایسے۔"

شوبھا نے سیلوٹ مار کر دکھایا۔ اس پر رسنا ایک دم خوش ہو گئی۔ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بولی "تب تو میرا سویٹ ہارٹ سچ مچ فوجی ہے۔ وہ بالکل ایسے ہی سلوٹ مارتا ہے۔"

"کیا نام ہے اُس کا۔"

"اُس کا نام ۔۔۔؟" رسنا بولی۔ پھر ایک دم رک کر بولی۔ "نہیں بتاؤں گی۔" اُس کے چنچل لہجے میں شرارت آگئی۔ شوبھا بھی اُسی شریر لہجے میں بولی "فوجی نہیں ہوگا نا۔ اس لئے نہیں بتاتی ہو۔"

رسنا ایک دم پیر پٹک کر بولی۔

"اچھا بتاتی ہوں۔"

"تو بولو۔"

"نہیں بولوں گی۔" رسنا کا شبہ بڑھنے لگا۔ یہ شوبھا اُس کا نام کیوں پوچھتی ہے۔ رسنا کا دل ڈوبنے لگا۔ کہیں یہ میرے سویٹ ہارٹ کو نہ چھین لے۔ اس لئے نہیں بتاؤں گی۔ بتانا اچھا نہیں ہوگا۔

شوبھا کی آنکھیں شرارت سے ستاروں کی طرح چمکنے لگیں۔ بولی۔ "ہم۔ کوئی ڈاکیہ ہوگا بے چارہ۔"

اس پر رسنا کو غصہ آ گیا۔ سب کچھ بھول بھال کر چڑک کر بولی —

"جی ڈاکیہ وہ نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے۔"

"تو پھر کون ہے؟" شوبھا نے اُسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"بس کنڈکٹر۔"

"نہیں۔" رسنا زور دے کر بولی۔" میں بتاتی ہوں۔ اس کا نام ابھی بتاتی ہوں۔" پھر رسنا شوبھا کی طرف دیکھ کر شرما گئی۔ بولی۔

"پر مجھے شرم آتی ہے۔ تم اُدھر دیکھو۔ تو بتاتی ہوں۔" رسنا نے شوبھا کو گھوم جانے کا اشارہ کیا۔ شوبھا نے ذرا سا گھوم کر اُس کی طرف پیٹھ کر لی۔ تو رسنا اُس کے کان میں بولی۔ "وسیم۔"

شوبھا نے واپس مڑ کر کہا۔ "وسیم نام ہے اُس کا۔"

رسنا نے چپکے سے اسبات میں سر ہلا دیا۔

"کیسی وردی پہنتا ہے وہ۔"

"لال کوٹ والی۔"

"لال —؟"

"ہاں اور کالی پتلون۔ جس کے پیچھوں بیچ ایک لمبی سنہری گوٹ ہے۔"

شوبھا نے سوچ سوچ کر دہرایا۔

لال کوٹ —؟

رسنا بولی۔" ہاں لال کوٹ جس پر سنہری بٹن لگے ہیں۔ اور کالی پھندنے دار ٹوپی ہے۔ اور اُس پر بھی سنہری گوٹ لگی ہے۔"

شوبھا چِلّا کر بولی ” ارے سمجھ گئی - وہ تو سینما کے باہر کھڑا ہونے والا
کمشنیر ہوتا ہے - ایک طرح کا بڑا چوکیدار - لال کوٹ اور سنہری بٹن اور
پھندنے دار ٹوپی - وہی تو ہے جب کوئی بڑی گاڑی سینما کے آگے رکتی ہے۔
تو وہ موٹر کا پٹ کھول کر سیلوٹ مارتا ہے۔ تمہارا سویٹ ہارٹ تو محض
ایک چوکیدار ہے - چوکیدار - “ شوبھا نے قدرے حقارت سے کہا -

اس پہ رسنا جل کر بولی -

” تو تمہارا لالی کیا ہے -؟“

” لالی -؟“ شوبھا نے حیران ہو کر پوچھا -

” لالی اس بیچ کہاں آتا ہے - لالی کا اس سے کیا واسطہ - ؟“

” کیوں نہیں -؟“ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا ” اگر تم میرے
سویٹ ہارٹ کے لئے ایسی باتیں بول سکتی ہو - تو میں تمہارے لالی کے لئے
ایسا کیوں نہیں بول سکتی -

شوبھا غصے سے بولی ” لالی میرا کیا لگتا ہے - واہ - ڈہیلی کی
سواری کرتے ہوئے اگر اس نے ذرا دیر کے لئے میری کمر تھپتھپا دیا - تو میں
اسے کیسے منع کر سکتی تھی -“

” کیا تمہیں اچھا نہیں لگا تھا -“

” نہیں -“ شوبھا نے جھوٹ بول دیا -

” تو پھر تم اس سے اس کا ڈیبیٹ کیوں کر رہی ہو -“ رسنا بولی -

” گھر کیوں نہیں چلی جاتیں -“

"تم بھی تو اس کا انتظار کر رہی ہو۔" شوبھا نے جواب دیا۔

"میں تو۔۔۔؟" رسنا رک کر بولی۔ میں تو اس لئے۔۔۔ کہ اس نے کہا تھا۔ تم دونوں یہاں رکو۔ صرف تمہیں مجھے بھی اس نے رکنے کے لئے کہا تھا۔ اور۔۔۔"

رسنا کچھ اور کہنے والی تھی۔ کہ سامنے سے لالی واپس آتا ہوا معلوم ہوا۔ سیٹی بجاتے ہوئے بڑی لاپرواہی سے کوٹ کندھے پر رکھے ہوئے ٹوپی بڑی ادا سے ترچھی کئے، لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا آ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر دونوں سہیلیاں اپنی تو تو میں میں ختم کر کے چُپ ہو گئیں۔ آتے ہی اُن دونوں کو دیکھ کر اُس نے حیرت سے ابرو اُوپر چڑھا لئے۔ گردن ذرا ٹیڑھی کر کے بولا۔" ایں۔ تم دونوں ابھی تک یہاں۔ کیا کر رہی ہو۔؟"

رسنا نے لالی کے قریب جا کر کہا۔

"تم ہی نے تو بولا تھا۔ یہاں ویٹ کرنے کو۔" رسنا نے بڑے انداز اور رازدارانہ لہجے میں اُسے "تم" کہا تھا۔ یہ "تم" گویا شوبھا سے الگ لالی سے کوئی علیحدہ اور خاص رشتہ پیدا کرنے کے لئے تھا۔ لالی نے فوراً رسنا کو ڈانٹ دیا۔

"تم ہمیشہ بیچ میں بولتی ہو۔ تم سے کون بات کر رہا ہے۔"

رسنا کو اُس کا جواب مل گیا۔ پھر بھی وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"تم نے ہم سے پوچھا اس لئے۔"

"شٹ اپ۔" لالی نے بڑے سخت لہجے میں اُس سے کہا۔" مجھے

تم دونوں سے کیا لینا دینا ہے۔"

شوبھا کا رنگ فق ہو گیا یہ سُن کر۔

جلدی سے لالی نے کہا۔" میرا مطلب تھا۔ تم دونوں میں سے ایک رُک جائے۔ دوسری چلی جائے۔"

جیسے اُسے اس بات کی کوئی پروا نہ ہو کون رُکے کون جائے۔ وہ دانتوں سے اپنے ناخن کاٹنے لگا۔ اور چور نگاہوں سے دیکھنے لگا کہ اُس کے اس فقرے کا ان دونوں پر کیا اثر ہوا ہے۔

رسنا اور شوبھا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں نے لالی کی طرف دیکھا۔ جو ان کی طرف نہ دیکھ کر اپنے ناخن کاٹنے میں مصروف تھا۔

رسنا بولی۔" تو ٹھیک ہے۔"

شوبھا۔" ہاں تو ٹھیک ہے۔"

مگر دونوں میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ دونوں اس انتظار میں تھیں کہ دوسری چلی جائے۔ وہ رہ جائے۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی نہیں گئی۔ لالی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اور بولا۔" دونوں میں سے ایک کو جانا پڑے گا۔"

پھر رسنا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم کہاں کام کرتی ہو۔؟"

رسنا بولی۔" میں کھار میں۔ پندرھویں سڑک پر۔"

"اور تم۔" اُس نے شوبھا پر اُچٹتی سی نظر ڈالی۔

"میں بھی وہیں ہوں۔" شوبھا بولی۔

لالی نے اپنی پتلون پر سے ایک شریائی مکھی اُڑائی۔ بولا۔ "تم دونوں میں ایک کو گھر جانا پڑے گا۔ اور ایک گر آن۔ تم دونوں میں سے۔ ایک یہاں ٹھیر سکتی ہے۔ جلدی بولو۔ کون ٹھہرے گی۔ جلدی بولو۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

ریسنا لالی کا مغرور چہرہ۔ مضبوط گردن۔ ماتھے پر جھکی لٹ دیکھ کر سب بھول گئی۔ شوبھا کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "اگر یہ ٹھہری تو اس کی نوکری چلی جائے گی۔"

"کس کی نوکری؟" لالی نے پوچھا۔

"شوبھا کی۔" ریسنا نے جواب دیا۔

"اسے سات بجے تک واپس پہنچ جانا چاہیے۔ نہیں تو گھر کی مالکن اسے جواب دے دیگی۔ یہی بول کے یہ آئی تھی۔"

لالی نے شوبھا کی طرف دیکھ کے پوچھا۔

"کیا یہ سچ ہے۔"

"ہاں۔"

"تو کیا ہوا میری نوکری بھی تو چلی گئی۔"

"ہاں۔ یہ سچ ہے۔" شوبھا رک رک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تمہاری نوکری بھی ختم ہو گئی۔"

جانے کیا بات ہے۔ شوبھا کا دل اُمید اور خوشی سے کانپنے لگا۔ اُسے

نہ اپنی نوکری جانے کا ملال تھا۔ نہ لالی کی نوکری کھو جانے کا غم تھا۔ دل میں ایک کونپل سی پھوٹ گئی۔ اور خوشی سا پنچھی اڑا۔ پھر پھڑاتی سی پھیلنے لگی۔ روح میں گھالی خوشبو کی لپٹیں لہرانے لگی۔ آنکھیں لالی کے پیار سے ٹھہرے ہوئے جسم پر گر رہ گئیں۔ اب کہاں نہ چھٹکیں گی۔ شوبھا نے اپنے سے بیاکل ہو کر ان نگاہوں کو ہٹانا چاہا۔ پر بعض نگاہیں بڑی بے شرم ہوتی ہیں۔ جم جائیں تو ہٹتی نہیں۔ ہائے اب کیا ہوگا۔ جیسے وہ اپنی نگاہیں نیچی کرے۔ لالی کو محسوس ہوگیا۔ تو وہ کیا کرے گا۔ اتنے میں اس کے کانوں میں رسنا کی حسرت ناک آواز آنے لگی۔ ”تو کیا میں جاؤں شوبھا۔ ؟ چلی جاؤں شوبھا۔ آواز میں بے حد مایوسی تھی۔ شوبھا نے منہ سے نکالا۔ ”میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں۔“ رسنا نے لالی کی طرف دیکھا۔ مگر لالی شوبھا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ کہے بغیر جیسے شوبھا اور لالی نے اپنے راستے سے رسنا کو ہٹا دیا تھا۔ جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں، ہوتے ہوئے بھی چلی گئی تھی۔

تو وہ رُک کر بھی کیا کرے۔ ایک ٹھنڈی سی آہ بھر کر رسنا نے کہا۔

”اچھا شوبھا۔ ٹھیک ہے تم رُک جاؤ۔“

دفعتاً لالی چونک کر بولا ”کیا یہ سچ ہے تمہاری نوکری خلاص ہو جائے گی۔“

”گھڑی گھڑی کیا پوچھو گے۔ ؟“ شوبھا نے جواب دیا۔

لالی چپ ہو گیا۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے شوبھا کی طرف دیکھنے لگا۔

رسنا دھیرے سے بولی۔ ”تو میں جاؤں شوبھا۔

اتنے دھیرے سے۔ اتنے۔ جیسے کوئی آہستہ سے دامن پکڑ لے اور چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو۔ یہ سوال نہ تھا۔ التجا تھی۔ تو میں جاؤں شوبھا جیتی مجھے جانے کو کیوں کہہ رہی ہو۔ شوبھا مجھے روک لو تاں۔ کسی طرح لالی کو سمجھا دو ناں۔

شوبھا بڑے سے بے دھ لہجے میں بولی۔ "اچھا رسنا۔ تم چلی جاؤ۔"
شوبھا نے وہ کہہ دیا تھا جس کی رسنا کو سننے کی امید تھی۔ لیکن جیسے سننے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس کا دل بیٹھ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے جانے لگی۔ دھیرے سے وہیں اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ لالی شوبھا کے قریب چلا گیا۔ اتنے میں رسنا پلٹ آئی۔ بے بس مجبور نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ کر بولی۔
"گڈ نائٹ۔"

مگر وہ دونوں ایک دوسرے میں اتنے کھو گئے تھے۔ کہ کسی نے اُسے گڈ نائٹ کا جواب تک نہیں دیا۔ رسنا چند لمحے کھڑی انتظار کرتی رہی۔ شاید وہ دونوں اُس کی گڈ نائٹ کا جواب دیں۔ شاید اُس کی طرف دیکھ کر اُس کی آنکھوں کی حسرت پڑھ کر اُسے جانے سے روک لیں۔ شاید شوبھا کا ارادہ بدل جائے۔ اور وہ اپنی دوستی کی خاطر رسنا کے ساتھ واپس چلی جائے۔ مگر لگتا ہے شوبھا کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ تو اُس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی ہے۔ جلدی رسنا پلٹ کر جھاڑیوں کی آڑ میں گم ہو گئی۔ رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے چلی گئی۔ مگر شوبھا اور لالی کو معلوم تک نہ ہوا۔ کون آیا۔ کون گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے لالی۔ شوبھا۔

دونوں دنیا و مافیہا سے بے خبر پارک کے ایک نیم تاریک کونے کی طرف بڑھنے لگے۔ جہاں پیڑوں اور جھاڑیوں سے گھرا ہوا اکیلی سی ایک

بنچ پڑا تھا۔ اور جس کے عقب میں بجلی کا ایک کھمبا کھڑا تھا۔ بلب کی روشنی پتّوں سے چھن کر آتی ہوئی لکڑی کے رنگین بنچ پر دو تین جگہ پڑ رہی ہے۔ وہ دونوں کچھ نہیں کہتے۔ بنچ کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ کارنیوال سے موسیقی کی آوازیں آ رہی ہیں۔

لوگوں کی گفتگو کی بے ربط لہریں۔ پھر خاموشی۔ پھر اس خاموشی کو چیرتے ہوئے کسی بچّے کے جھنجھنے کی آواز لہرانے لگتی ہے۔ پھر خاموشی..... اس سناٹے میں کسی کار کے ہارن کی آواز سنائی دیتی ہے۔ کار دور جا رہی ہے۔ وہ نزدیک آ رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک دوسرے سے لگ کر ایک مقناطیسی رو سے بندھے ہوئے۔ دو کشتیوں کی طرح ایک لہر پہ دوڑتے ہوئے..... ایسا لمحہ تو کبھی نہیں آیا۔ اُس کے جیون میں۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس کے قدم ڈگمگا کیوں رہے ہیں۔ یہ بنچ اتنی جلدی سے ان کے قریب کیوں نہیں آجاتا۔ شاید وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ شاید لالی کو اُسے اُٹھا کر اُس بنچ تک لے جانا ہوگا۔

معلوم نہیں کب وہ بنچ آگیا۔ کب دھیرے سے سہارا دے کر لالی نے شوبھا کو اُس بنچ پر بٹھا دیا۔ وہ ایک معصوم کبوتری کی طرح اُس کے پاس بیٹھی ہے۔ بات۔ ہاں۔ کوئی بات اُسے کرنی چاہیئے لالی سے۔ کوئی کچھ نہیں کہتا۔ دونوں چپ ہیں۔ کیسا بوجھل سا لمحہ ہے۔ ٹائم بم کی طرح خطرناک۔ اور پھر ٹک ٹک کرتا ہوا۔ اگر وہ جلدی سے نہ بولی تو شاید یہ لمحہ پھٹ جائے گا۔ شاید اُس کی ساری زندگی [illegible]

اور لالی دونوں ہوائیں مل کر بکھر جائیں گے۔ اُسے بولنا چاہیئے۔ اُسے کہنا چاہیئے۔ مگر ہزار کوشش کے بعد بھی وہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لگتا ہے کسی نے گلے کو اندر سے ہاتھ ڈال کر پکڑ لیا ہے۔ اس کا سارا بدن کانپ رہا ہے۔ ایکا ایک لالی نے بڑے اطمینان سے بے حد غیر جذباتی لہجے میں اُس سے پوچھا۔ "تم کیا کرتی ہو۔" اور اس غیر جذباتی لہجے نے اس لمحے کی رومانی دھند ایک ہی جھٹکے سے صاف کر دی ہے۔ شوبھا کو اپنا حلق کھلتا ہوا معلوم ہوا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔

"میں کک ہوں۔ کھانا پکاتی ہوں۔"

"اور رستا ہے؟"

"وہ تو خالی جھاڑو کٹکا کرتی ہے۔" شوبھا نے قدرے تحقیر سے کہا۔

لالی نے بالوں کی لٹ ماتھے سے ہٹائی۔ شوبھا کا جی چاہا۔ وہ خود ہٹا دے۔ لالی سے کہے یہ کام تو میرا ہے۔ مگر شرم کے مارے کچھ کہہ نہ سکی۔ ہاں یہ سوچ کر کہ وہ لالی کے بالوں کی لٹ چھو سکتی ہے۔ اس کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا۔ اور سارے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

لالی نے پوچھا۔ "کارتیوال پارک میں کچھ کھا پی لیا تھا۔"

"نہیں۔"

"کچھ کھاؤ گی وہاں چل کر؟"

"نہیں۔"

"کہیں اور چل کر کھاؤ گی؟"

"نہیں ۔"

لالی سیٹی بجانے لگا۔ شوبھا اپنی ساڑھی کے پلّو کو موڑنے لگی۔

لالی نے سیٹی بجانا بند کر دیا۔

شوبھا نے پلّو موڑنا بند کر دیا۔

لالی نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم کارنیوال میں بہت کم آتی ہو۔ میں نے تمہیں چھ دفعہ دیکھا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ بس سات دفعہ آئی ہوں۔"

"تم نے مجھے دیکھا تھا ۔ ؟" لالی نے پوچھا

"ہاں ۔"

"اور تمہیں معلوم تھا میں لالی ہوں ۔"

معلوم کر لیا تھا۔" شوبھا نے اُس کی طرف سے نگاہیں ہٹا کے کہا۔

لالی مسکرانے لگا۔ چند لمحوں کے بعد بولا "تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے ۔"

"نہیں ۔"

"جھوٹ مت بولو ۔"

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی ۔"

"کتنے سال ہو گئے تمہیں بمبئی میں کام کرتے ہوئے ۔"

"سات سال ۔"

"اور سات سال میں تمہارا ایک بوائے فرینڈ نہیں رہا۔ تم چاہتی ہو میں تمہارے اس جھوٹ پہ یقین کر لوں ۔ ؟"

"سچ کہتی ہوں۔ ایک بوائے فرینڈ بھی نہیں رہا۔"

"یہ ڈھکوسلا کسی اور کو بناؤ۔"

"تم ضد کیوں کرتے ہو۔ کہ کوئی ہے۔ اور ضرور ہے۔"

"کیونکہ تم اس ٹائم اس بنچ پر میرے ساتھ بیٹھی ہو۔ اگر تمہارا کبھی کوئی بوائے فرینڈ نہیں رہا۔ تو تم رات کے اس سمے میرے ساتھ اس بنچ پر یوں نہ بیٹھ سکتیں۔ ڈر کے بھاگ جاتیں۔"

"مگر مجھے تم سے ڈر نہیں لگتا ہے۔"

لالی زور سے ہنس پڑا۔ "کیسی احمق ہو تم۔ لالی کو نہیں جانتیں۔ باہر کے کسی بوتھ سے معلوم کر لیا ہوتا۔ کئی لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر۔" اس کے لہجے میں فخر اور غرور کی بلندی بڑھتی ہی گئی۔ "ہر لڑکی مجھے بوائے فرینڈ بنانے کے لئے تیار ہے۔ تمہارے ایسی پاورٹی نہیں۔ بلکہ ایسی لڑکیاں جو نرسیں ہیں۔ اور ٹائپسٹس۔ وہ بڑے بڑے دفتروں میں کام کرتی ہیں۔ ہاں ان میں سے کسی کو بھی پسند کر سکتا ہوں۔"

لالی نے شیخی بھرے لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں مسٹر لالی۔" شوبھا بڑی سنجیدگی سے بولی۔ جانے اُس کے اندر یہ جرات کہاں سے آ گئی تھی۔

"کیا جانتی ہو۔" لالی نے پوچھا۔

"یہی کہ بہت سی لڑکیاں تم پر مرتی ہیں۔ خود میری بہت سی سہیلیوں کا یہی حال ہے۔ کیٹ۔ میری۔ وائیلٹ، روبی، چنبیلی، صفیہ، گوری۔ سب

اکثر تمہاری باتیں کیا کرتی ہیں مگر میں اس لئے نہیں ٹھہری . . . کہ ــ کہ . . . میں تو اس لئے ٹھہری کہ مجھے افسوس ہے ۔ میرے کارن تمہاری نوکری چلی گئی ــ"

"چلی گئی تو اب گھر چلی جاؤ ــ" لالی کو یہ سُن کر صدمہ سا ہوا ۔ کہ یہ دُبلی پتلی سانولی اُس کی خاطر نہیں ٹھہری ۔ اُس کی نوکری چلے جانے کی خاطر ٹھہری ــ اُس کے لہجے میں سختی آنے لگی ۔ کیا سمجھتی ہے یہ چھوکری ۔
شوبھا نے بڑی مضبوطی سے کہا ۔ "مگر میں نہیں جاؤں گی اب ۔"
"کیوں ــ ؟" لالی نے پوچھا ۔ "اگر میں تمہیں اس بنچ پہ چھوڑ کر چلا جاؤں ــ ؟"

"تب بھی نہیں جاؤں گی ــ ؟"

لالی کو اُس کے لہجے کی مضبوطی پسند آئی ۔ جیسے نرم نرم لہروں کے اندر اُس نے کسی چٹان کو دیکھ لیا ہو ۔ اُس نے گویا دونوں ہاتھ اُس چٹان پر رکھ دیئے ۔ آہستہ سے بولا ۔ "ایک تمہاری ایسی لڑکی میری سویٹ ہارٹ تھی ۔ ایک دفعہ ــ بالکل تمہاری ایسی لڑکی مجھے ملی تھی ۔ رات کے سمے ۔ کارنیوال ختم ہو چکا تھا ۔ ہم لوگ روشنیاں گُل کر رہے تھے ۔ کہ اتنے میں . . .

لالی سُناتے سُناتے رُک گیا ۔ سامنے سے دو سنتری باتیں کرتے ہوئے چلے آ رہے تھے ۔ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے ۔ پھر اُن دونوں نے اس بنچ پر بیٹھے ہوئے جوڑے کو دیکھ لیا ۔ اور سیدھے اُن کی طرف بڑھ آئے ۔

اور اُن دونوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ شبہ کی نظروں سے گھورتے ہوئے انہوں نے لالی اور شوبھا کی طرف دیکھا۔ پھر اُن میں سے ایک سنتری لالی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا "تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"

لالی نے اُسی طرح بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

"کون ہیں ــــ ؟"

اس پر سنتری کو غصہ آ گیا۔ اُس نے ڈانٹ کر کہا۔ "جب تم سے بات کی جائے تو کھڑے ہو کر جواب دو۔"

لالی یا دلِ نخواستہ کھڑا ہو گیا۔ مگر آہستہ آہستہ کھڑا ہوا۔ جیسے اس کے جوڑوں میں درد ہے۔ یا کھڑا نہ ہونا چاہتا ہو۔ مگر مجبور کیا جا رہا ہو ــ جیسے خود کوئی کام یاد آنے پر کھڑا ہو رہا ہو۔ اور پولیس کے کہنے پر کھڑا نہ ہو رہا ہو۔ اُس کی نگاہوں میں پولیس کے لئے تضحیک کے چھپے ہوئے نشتر تھے۔ اور تھوڑا سا ڈر بھی۔ پہلے سنتری نے پوچھا۔

"تمہارا نام ــــ ؟ ــــ کیا کام کرتے ہو۔"

پیشتر اُس کے کہ لالی جواب دیتا۔ دوسرے سنتری نے کہا۔

"میں اسے پہچانتا ہوں۔ یہ لالی ہے۔ کارنیوال میں کام کرتا ہے۔ میں جانتا ہوں اس کو۔"

پہلے سنتری نے گھور کر شوبھا کی طرف دیکھا۔ شوبھا ہولے ہولے سسکنے لگی۔ تو پہلا سنتری خفا ہو کر بولا۔ کیا سوں سوں کرنے لگی۔ ہم کیا تم کو کھا جائے گا۔ اپنا ڈیوٹی پورا کرتا ہے۔" پھر لالی کی طرف مڑ کر بولا "کس

پوچھ کے یار کر ہو۔"

لالی نے اپنا دایاں گال کھجاتے ہوئے کہا "سر ہوشنگ بابا کے پوچھ سکے....."

دوسرے سنتری نے پھر پہلے سے کہا "میں جانتا ہوں اُس کو۔ دو تین بار پکڑا ہے۔ اس کو....."

پہلے سنتری نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"تم ادھر کیا کرتا ہے۔"

لالی نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "ہم دونوں ادھر پارک میں بیٹھا ہے۔ میں اور یہ چھوکری۔"

دوسرے سنتری نے پوچھا "تمہاری گھر والی ہے۔؟"

لالی نے ہنس کر تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ "گھر والی کے ساتھ کوئی پارک میں بیٹھتا ہے۔"

"تو یہ تمہارا چھوکری ہے۔" پہلے سنتری نے پوچھا۔

لالی نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"نہیں۔ چھوکری بھی نہیں ہے۔"

دوسرے سنتری کے شبہ کو مزید تقویت ملی۔ اُس نے شوبھا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہارا نام بولو۔"

"شوبھا۔"

"جھاڑو کٹکنے والی۔؟"

"نہیں — باورچن [?] ہوں — کھانا پکاتی ہوں — مسٹر لیوس کے ہاں — پندرھویں سڑک کھار ممبئی 52

"اپنا ہاتھ دکھاؤ۔" پہلا سنتری بولا۔

شوبھا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مگر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیئے پہلے سنتری نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ٹٹولیں کر دوسرے سنتری سے کہا۔ "ٹھیک کہتی ہے [?] نوکرانی ہے۔ ہاتھ سخت ہیں۔"

دوسرے سنتری نے پوچھا "تو اس ٹائم گھر پہ کھانا نہیں پکاؤ گی۔ ادھر کیا کرتی ہے۔"

شوبھا بولی۔ "آج میرے کو ہاتھ پاؤں درد ہے۔"

"تو اس دھاکڑ کے ساتھ اس پیڑ کے نیچے کیوں بیٹھی ہے۔" پہلے سنتری نے ڈانٹ کر پوچھا۔

شوبھا لاجواب ہو کر اُس کا منہ دیکھنے لگی۔

دوسرا سنتری پہلے سنتری کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں۔ ادھر ہم گئے۔ اُدھر یہ دونوں ان جھاڑیوں میں غائب۔"

پہلے سنتری کو ہنسی آگئی۔ پھر شوبھا کی طرف دیکھ کر شاید کچھ رحم آگیا۔ اُس نے کہا۔ "یہ دھاکڑ تو نہیں کرتا ہے۔ خالی [?] تمہارے پیسے کے پیچھے ہے۔ ہم اس کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔ یہ ہمیشہ یادیوں [?] میں جھاڑو کٹکا کرنے والی چھوکریوں کو پھنساتا ہے اور پھانس کر اُن کی جیب خالی کرا لیتا ہے۔ ابھی سے تم کو بول دیتا ہے۔ اس لئے کہ کل تم جب کھاتے [?] ہیں اس کی

رپورٹ کرنے آئے گا۔ تو ہم تھانے میں تمہاری رپورٹ نہیں لے گا۔ ابھی سے تم کو اس چار سو بیس کے لئے وارن کرتا ہے۔"

شوبھا بولی۔ "میرے پرس میں صرف آٹھ آنے ہیں سنتری جی۔" وہ اس وقت لالی کی طرف بالکل نہیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن پہلے سنتری نے لالی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سن لیا۔ لالی اس چھوکری کی جیب میں صرف آٹھ آنے ہیں۔"

لالی بولا۔ "مجھے اس کے پیسے نہیں چاہئے۔"

"چپ رہو۔" دوسرے سنتری نے لالی کو ڈانٹا۔

لالی چپ ہو گیا۔ شوبھا بھی اس کے قریب بنچ پر بیٹھی رہی۔ سپاہیوں کی دھاندلی سن کر بھی وہاں سے نہیں ہٹی۔ دونوں سنتری کچھ دیر خاموشی سے ان دونوں کو گھورتے رہے۔ پھر پہلے سنتری نے کہا۔

"سن لو شوبھا۔ یہ امارا ڈیوٹی ہے۔ ام تم کو بول دیتا ہے۔ تمہارے کو عقل نہیں ہے۔ جو تم اس چھوکرے کے سنگ لو کرتا ہے۔ یہ تم سے جھوٹا جھوٹا پریم جتائے گا۔ ہر مہینہ تمہاری پگار لے کر کھا جائیں گا۔ تم کو کھالی کر کے چھوڑ دے گا۔"

شوبھا بولی۔ "مجھ سے کیا لے گا سنتری جی۔ میں تو بہت غریب ہوں۔"

دوسرا سنتری چلا کر بولا۔ "تم بات مت کرو۔ جو بولا جائے سن لو۔"

شوبھا چپ ہو گئی۔

پھر پہلا سنتری بولا۔ "تم کو ہمارا نقیحت بس کرنا منگتا۔ ہم تم کو ٹائم پہ وارن کیا ہے۔ یہ چھوکرا بہت وھاکڑ ہے۔ تمہارا پرس صاف کر دے گا۔ سب کھا جائے گا۔ پھر تم ہمارے پاس رپٹ کے لئے آئے گا۔ تو ہم کیا کر سکے گا۔ اس لئے ابھی سے بولتا ہے۔ ہمارے سنگ چلو ہم تم کو ابھی تمہارے گھر چھوڑ کے آئے گا۔"

شوبھا نے کانپتے کانپتے لہجہ میں پوچھا۔ "یہ آپ کا حکم ہے۔"

"حکم نہیں ہے۔" پہلا سنتری بولا۔ "خالی تم کو سمجھاتا ہے۔ بس۔"

"حکم نہیں ہے۔ تو میں نہیں جاؤں گی۔" شوبھا بولی۔

دوسرے سنتری نے پہلے سنتری سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اجنبی بدو سی گئی۔ مگر ہم نے اس کو خبردار کر دیا ہے۔ ہماری ڈیوٹی ختم ہے۔ آؤ۔ بسنت چلیں۔"

پہلے سنتری نے ایک دفعہ پھر شوبھا کی طرف دیکھا۔ جیسے کسی انتہائی بیوقوف لڑکی کی طرف دیکھ رہا ہو۔ پھر اُس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ اور اپنے ساتھی کے ساتھ پارک کے دوسرے کونے کی طرف گشت کرنے کے لئے چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد لالی اور شوبھا دونوں پھر بنچ پہ بیٹھ گئے۔ لالی نے جیب سے رومال نکال کر اپنے منہ سے پسینہ پونچھا۔ اپنی گردن کو صاف کیا اپنی ناک کو اور اپنے منہ کو پھر شوبھا کو دیکھ کر بایاں گال کھجانے لگا۔

شوبھا نے آہستہ سے پوچھا۔

"پھر ----؟" اُس پر وہ بھڑکا۔ اُس نے شوبھا کی طرف غصّے سے دیکھ کر پوچھا۔ "ہاں تو پھر ----؟" شوبھا بولی۔

"تم کوئی بات شروع کرنے والے تھے تا جب یہ سنتری آ گئے۔"

"اوہ ---" لالی کے مُنہ سے نکلا۔ اس نے شوبھا کو غلط سمجھا تھا۔

"میں نے کیا کہا تھا ----؟" اُس نے نرم پڑتے ہوئے شوبھا سے پوچھا۔

شوبھا بولی۔ "تم کہہ رہے تھے کوئی ایک لڑکی تمہاری گاڑی کے قریب بیٹھ --- کارنیوال کے بعد تم سے ملی تھی۔ اسی پارک میں جب تم ....

"اوہ ہاں ---" لالی کہنے لگا۔ "اب یاد آیا۔" حالانکہ اُسے کچھ یاد نہ تھا یونہی وہ بولنے لگا۔ "جب ہم روشنیاں گُل کر رہے تھے۔ تو ایک لڑکی گہرا سرخ شال اوڑھے ہوئے آئی۔ اور مجھ سے --- مجھ سے --- وہ رُک گیا۔ اور لہجہ بدل کر شوبھا سے پوچھنے لگا۔ "سُنو میں کہتا ہوں۔ سنتریوں نے جو کچھ تم سے کہا جو کچھ تمہیں بتایا۔ کیا اُس کے بعد بھی تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگتا ہے ---"

"نہیں۔" شوبھا اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی ---

"اور اگر میں تمہارا بٹوا تم سے چھین لوں ---؟"

"میرے بٹوے میں کچھ نہیں ہے۔ آٹھ آنوں کے سوا۔" شوبھا آہ بھر کر بولی۔ "اور اگر کچھ ہوتا۔ تو میں وہ سب تمہارے حوالے کر دیتی۔"

"سچ ---" لالی نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں کبھی انکار نہیں کروں گی۔"

"تم نے آج تک اپنے کسی بوائے فرینڈ کو پیسے نہیں دیئے۔"

"نہیں۔"

"یعنی تمہارا آج تک کوئی دوست نہیں رہا۔"

"نہیں۔"

لالی کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اُسے یقین آ بھی رہا تھا۔ اور نہیں بھی۔ پھر بھی اُس نے اپنے سوال جاری رکھے۔

"یعنی تم آج تک کسی کے ساتھ سینما تک دیکھنے نہیں گئیں۔ چاندنی میں کبھی جوہو کے کنارے۔؟"

"ہاں گئی تھی۔" شوبھا غیر جذباتی لہجے میں بولی۔

"کون تھا وہ۔؟"

"رامو۔ ساتھ والے بنگلے میں کک۔"

"کہاں کا رہنے والا تھا۔"

"میرے گاؤں کا۔"

"تم کو اُس سے پیار تھا۔"

شوبھا بیزار ہو کے بولی۔ "ایسی باتیں کیوں پوچھتی ہو۔" پھر رُک کر صاف دلی سے بولی۔ "نہیں مجھے اُس سے پیار نہیں تھا۔ بس ہم دونوں ٹہلنے کے لئے جایا کرتے تھے۔"

"کہاں جاتے تھے۔"

"کبھی پارک میں، کبھی جوہو پر۔"

"اور تمہاری عزت — کہاں کھوئی تم نے — ؟"

"میری تو کوئی عزت ہی نہیں ہے۔"

"کبھی تو ہوئی —"

"کبھی — بھی — نہیں تھی۔ وہ روہانسی ہو کے بولی —

ہر سوال کے بعد لالی کا لہجہ بے رحم ہوتا جا رہا تھا۔ بے رحم اور سنگدل اور چابک کی طرح پڑتے جا لا۔ مگر اس چابک کا وار خود لالی پر پڑ رہا تھا۔ لگتا تھا۔ جیسے ہر سوال کا چابک خود اس کی پیٹھ پر پڑ رہا تھا۔ پھر بھی وہ سوال کئے جا رہا تھا۔ وہ سوال جن کی قیمت جن کے جواب کی قدر کسی زمانے میں تو ہوتی تھی۔ آج کے زمانے میں بالکل نہیں ہے۔ وہ اس بات کو جانتا تھا۔ اور اس سے زیادہ ان سوالوں کی مضحکہ خیزی سے کون واقف تھا۔ پھر نہ جانے اس کے اندر کون سی چھپی ہوئی شرافت تھی جو اس وقت بار بار اس سے یہی سوال کئے جا رہی تھی۔ خلاف اس کے شوبھا اس وقت نہ رو رہی تھی۔ نہ سسکیاں لے رہی تھی۔ نہ شرما رہی تھی۔ نہ ہی بے حیائی سے ان سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا۔ جیسے یہ سوال بے ور معمولی ہوں۔ جیسے ان کا آج کی دنیا میں اور اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی مرتبہ۔ کوئی قدر و قیمت — کوئی اہمیت نہ ہو — جیسے سوال نہ ہوں۔ آج کے بہتے سماج میں رُلنے والے روڑے کنکر ہوں۔

وہ دانت پیس کر بولا۔ "مگر تم نے راموں کے حوالے اپنا جسم تو کیا ہو گا۔ ؟"

"وہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔" شوبھا بے حد سنجیدگی سے بولی۔
"مگر مجھے اُس سے پیار نہیں تھا۔"
"مجھ سے ہے۔؟" لالی نے دوسرا سوال کیا۔
"نہیں۔"
"تو یہاں کیوں بیٹھی ہو۔؟" اُس نے بھڑک کر پوچھا۔
"یونہی۔" وہ ایک عجیب اُداسی سے بولی "بس ایسے ہی۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ آنسو آنکھوں کے اندر سے ڈھلک کر اندر ہی اندر کسی خفیہ راستے سے اُس کے گلے میں پہنچ کر رُک سے گئے۔ اُس کی آواز اُن میں ڈوب گئی۔ وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔
لالی بولا "ہاں میرے ایسے مرد سے تم شادی نہیں کرو گی۔ ناں۔؟"
"کیا ہر بات کا جواب ایسی صفائی سے دیا جاتا ہے۔ جیسے بہاڑو کٹکا کیا جاتا ہے۔؟" شوبھا کو غصہ آنے لگا۔ کیا چاہتا ہے لالی۔ اپنے آپ کو ٹھیک ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اُسے غلط ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی آدھی زندگی اپنے آپ کو صحیح اور دوسروں کو غلط ثابت کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اس کے خلاف ہم سب لوگ سب نہ ہوں۔ کوئی دو لوگ مل کر سارے جیون کی غلطیاں آدھی آدھی کر کے آپس میں بانٹ لیا کریں۔ ایک دوسرے پر الزام لگائے بغیر۔ جب ہم سکھ بانٹ لیتے ہیں۔ اور دکھ بانٹ لیتے ہیں۔ تو الزام بھی بانٹ لیا کریں۔ تو زندگی کتنی خوش حال ہو جائے۔

شوبھا کی خاموشی سے لالی نے بالکل غلط مطلب لیا۔ وہ زخمی آواز میں شکایت بھرے لہجے میں بولا۔

"اگر تم مجھے چاہتی نہیں ہو۔ تو یہاں کیوں بیٹھی ہو۔ چلی کیوں نہیں جاتیں جاؤ۔ جہاں تم نوکر ہو"

شوبھا آہستہ سے بولی "اب کہاں جاؤں۔ بہت دیر ہو گئی ان لوگوں نے دروازے بند کر لئے ہوں گے۔"

"ہاں" بہت دیر کے بعد شوبھا بولی۔ اور بہت دیر تک ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ جیسے ایک دروازہ بند ہو گیا ہو۔ اور ابھی دوسرا دروازہ کھلا نہ ہو۔ دو دروازوں کے درمیان ایک ایسا وقفہ بھی آتا ہے جس میں سوچنے اور ٹھہرنے کے لئے وقت ملتا ہے۔ ایسے ہی اس وقفے کے درمیان لالی نے کہا۔

"میں سوچتا ہوں۔ میرے جیسا برا آدمی بھی ٹھیک ہو سکتا ہے۔ ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔"

دروازہ ذرا سا کھلنے لگا۔ شوبھا کو روشنی نظر آنے لگی۔ اتنے میں مونگ پھلی والا وہاں سے۔ اور ان کے سامنے سے بھیگی ہوئی آواز میں منمناتا ہوا گزرنے لگا۔ اور وہ دروازہ پھر بند ہو گیا۔

مونگ پھلی۔ سینگ۔ مونگ پھلی سینگ۔ لے لو۔ مونگ پھلی سینگ۔

لالی نے پوچھا۔ "بھوک لگی ہے؟"

"نہیں۔" شوبھا نے سر ہلا دیا۔ لالی نے بھی مونگ پھلی والے کی طرف دیکھ کر انکار میں سر ہلا دیا۔ مونگ پھلی والا چلا گیا اس کے ساتھ ہی وہ سوچ سمجھ والا وقفہ بھی چلا گیا۔ اب لالی پھر اپنے ۔۔ ۔۔ ۔۔ میں کتنا عجیب لڑکی ہے۔ لالی نے سوچا۔ اب وہ کیا کہے اُس سے۔ سب وار خالی کر دیئے ہیں۔ اس عجیب و غریب سانولی نے۔ نگاہیں کہیں بہت دُور چلی گئی ہیں۔ جب اُس کی طرف دیکھتی ہے۔ تو یہی لگتا ہے۔ جیسے اُس کی طرف دیکھ نہیں رہی ہے۔ لگتا ہے لالی کا جسم کانچ کا بنا ہوا ہے۔ جیسے شوبھا کی نگاہیں۔ اُس کے جسم کے آر پار دُور افق میں خلا میں کہیں بہت دور کچھ کھوجنے کے لئے جا رہی ہیں۔ جیسے عورت ہزاروں برس سے کھوج رہی ہے۔ مرد کے ساتھ رہ کر بھی اُس سے پیار کر کے بھی۔ اُس سے بچے لے کر بھی۔ موہ، مایا، ممتا سب سے گزر کر وہ کچھ اور ہی کھوج رہی ہے۔ جو اُسے آج تک نہیں ملا۔

لالی چپ ہے۔ وہ بھی سانسوں کے اس سمندر میں اکیلا پڑ گیا ہے۔ بڑھتی ہوئی رات کے لبادے میں لپٹا ڈھیر سے ڈھیرے نہ سمجھ میں آنے والی تاریکی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ اب اُس تک کوئی کرن نہیں پہنچتی۔ کسی تاریک ریڈیائی سیارے کی طرح وقت کی دُوربین کی آنکھ سے اوجھل اکیلا دھڑک رہا ہے۔ یوں بھی لوگ بھیڑ میں ایکا ایک اکیلے پڑ جاتے ہیں۔ اور اکیلے میں بھیڑ بن جاتے ہیں۔ اس دھندلی دھندلی خاموشی کے درمیان کہیں کوئی ایک سے جاگتی ہے۔

مسز ہونسگ بائی کا پرانا ارغنون بج رہا ہے۔ ناچ کے لئے اُس کی رگ

رگ رگ میں سے سماتی جا رہی ہے۔ انگ انگ میں اُس کا روم روم دھڑکنے لگتا ہے۔ پھر کسی دوسری شے سے ناطہ جڑ گیا اُس کا۔ وہ اکیلا نہیں رہا۔ اُس کی ٹانگیں تھرکنے لگی ہیں۔

"ناچو گی؟" لالی نے شوبھا سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا؟"

"کسی کی پرواہ تمہیں کیوں ہونے لگی؟"

"کیونکہ مجھے شادی تو کرنی نہیں ہے۔"

شوبھا دکھ بھرے لہجے میں بولی "شادی کرنی ہوتی تو مجھے بھی کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ پر مجھے تو شادی نہیں کرنی ہے۔ اس لئے مجھے اپنا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"اور اگر میں تم سے شادی کے لئے کہوں؟" لالی بے دھڑک ہو بول اٹھا۔ اور بول کر حیرت میں رہ گیا یہ بات اُس نے ۔ بے حیا نے بنا سوچے سمجھے دھیان دیئے بغیر کیسے کہہ دی۔ مگر حیا نے کیا بات ہے کہہ کر اُسے افسوس نہیں ہوا۔ کسی طرح کا پچھتاوا ابھی اُس نے محسوس نہیں کیا۔

شوبھا اُس کی طرف چپ چاپ حیرت زدہ ہو کے دیکھنے لگی۔ جیسے اعتبار نہ آ رہا ہو۔

"کیوں کیا ہوا۔؟" لالی نے پوچھا۔ "تم سوچ رہی ہو سنتری نے میرے

لئے جو کہا تھا۔ وہ سب اس وقت یاد آرہا ہے نا۔ ؟" لالی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آئی۔ اُس کے ہونٹ نفرت اور حقارت سے ٹیڑھے ہو گئے۔ تم ضرور سوچتی ہو گی۔ آخر لالی نے بھی وہی حربہ اختیار کیا جو ہر چھچھورے کرتے ہیں۔

شوبھا نے اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "نہیں۔ لالی صاحب۔ مجھے ان باتوں کی پرواہ نہیں ہے" جتنی جلدی اُس نے ہاتھ رکھا تھا۔ اتنی جلدی ہی اُس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ کیونکہ لالی کے ہونٹ جل رہے تھے۔ اُسے حیرت ہوئی لالی کے ہونٹ سوکھے تھے اور جل رہے تھے جیسے اُس کا اپنا دل جل رہا تھا۔

لالی بولا۔ "پھر تم میرے ایسے آوارہ چھچھورے سے شادی نہیں کرو گی ناں۔؟ نہیں کرو گی۔ ؟"

شوبھا رُک کر بولی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر بھی وہ اُنہیں پی کر بڑے ٹھہرے لہجے میں بولی۔ اگر میں کسی سے پیار کروں۔ تو پھر چاہے کیسا ہی ہو۔ پھر میں چاہتے مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ اُس کے لئے"

ایک شیطانی سی مسکراہٹ سے شوبھا کی دیکھ کر بولا "فرض کر لو۔ تمہارے بٹوے میں کچھ پیسے ہیں۔ وہ اگر میں لے لوں تو۔ ؟"

"تو لے لو" سکون آمیز لہجے میں شوبھا نے جواب دیا۔

لالی کا شیطان بھاگ گیا۔ مگر لالی کو اُس کے بھاگ جانے کا افسوس تھا۔ کیوں بھاگ گیا اس وقت وہ یہی تو وقت تھا اُس کے پاس ٹھہرنے کا۔ جب یہ بے بس لڑکی اُس کے پاس بیٹھی ہے۔ ایسے موقعوں پر اگر شیطان

پاس نہ ہو تو آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔ ایکا ایک لالی اُداس ہو گیا۔ کارنیوال کے دودھیا قمقموں سے اشوک کے پیڑوں کے اوپر ڈولتے ڈولتے۔ اُبھرتے فضا میں موتیوں کی لڑی کو جھولتے دیکھ کر متاسف لہجے میں بولا۔ بس مجھے اتنا کرنا ہے ۔ کہ ۔ اُس کے پاس واپس چلے جانا ہے۔ وہ پھر مجھے کام پر رکھ لے گی۔ اپنے بوتھ میں۔ بڑی خوشی سے مجھے بس اُس کے پاس جانا ہوگا۔"

رات کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں لالی کا اُداس چہرہ دیکھ کر شوبھا اس کے بازو سے لگ گئی۔ اور نرم اور مدھم آواز میں دھیرے سے بولی "اُس کے پاس مت جاؤ۔"

لالی کے نتھنے آہستہ سے پھیلنے لگے۔ کہیں سے رات کی رانی کی مہک آ رہی ہے۔ اُس نے دل میں سوچا۔ ایکا ایک وہ ہوشنگ بائی کو بھول گیا ۔ کیونکہ وہ صاف ستھرے کپڑوں اور نرم گرم خوشبوؤں کا عاشق تھا۔ اُس نے سانس زور سے اندر کھینچ کر کہا۔ آہ ۔ کتنی مست خوشبو ہے۔ کہاں سے آ رہی ہے۔"

شوبھا نے آہستہ سے اُس کے ہاتھ پر اپنی ایک انگلی رکھ دی۔ آہستہ سے التجا آمیز لہجے میں بولی۔ "اُس کے پاس مت جاؤ۔"

لالی بولا۔" وہ مجھے واپس بلا لے گی۔ پھر سے کام پر لگا لے گی۔ میں جانتا ہوں کیوں۔"

شوبھا نے دوسری انگلی بھی اُس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ پھر تیسری۔ پھر چوتھی۔ اب پانچوں انگلیاں اُس کے بازو پر تھیں۔ اور اُن میں بھیگے پھول

کی پتیوں کا سانس تھا۔ لالی ایکاایک اُس کے سر پر جھک گیا۔ اور آہستہ سے سانس کھینچ کر خوش ہو کر بولا۔ ”نہیں یہ خوشبو تو تمہارے بالوں سے آ رہی ہے ۔۔۔۔ رات کی رانی سے“

شوبھا نے ہاتھ فضا میں بڑھا کر کہا۔ ”یہ پھول ہوا لا رہی ہے۔“

لالی نے بھی ہاتھ بڑھا کر اپنی ہتھیلی اُس کی ہتھیلی کے ساتھ لگا دی —— بڑھتی ہوئی رات میں ہوا کے تیز جھونکے پھول گرا رہے تھے۔ سچ مچ لالی نے دیکھا کہ بنچ پر جھکی ہوئی جھاڑیوں، بیلوں، لتاؤں اور پیڑوں سے ان گنت سفید پھول ان پر گر رہے ہیں۔ شوبھا کے بالوں میں۔ لالی کے کندھوں — ان دونوں کی پھیلی ہتھیلیوں میں انسان کی اُجلی آرزوؤں کی طرح چمک رہے ہیں محبت کا اطمینان بھرا سانس لے کر لالی نے شوبھا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور رات گہری ہوتی چلی گئی ۔۔۔۔۔

چاچی ہنستی لوہے کی سیگڑی کو اُپلوں سے بھری ہاتھ میں لے کر لکڑی کے شیڈ سے باہر لے جا کر سلگانے لگی۔ کیونکہ اس کا کچن بہت چھوٹا تھا۔ اور سیگڑی سلگاتے وقت دھوئیں سے بھر جاتا تھا۔ سیگڑی سلگانے سے پہلے اُس نے سڑک کے کنارے دُور دُور تک دیکھا۔ لالی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

تین مہینے سے وہ دونوں ننھو بھیا کی چاچی ہنستی کے لکڑی کے شیڈ میں پڑے ہوئے تھے۔ کیونکہ لالی کو ابھی تک کہیں کام نہ ملا تھا۔ اور کام ملے بھی کیسے۔ چاچی ہنستی نے غصے سے اُپلوں میں پھونکتے ہوئے سوچا۔ کام ڈھونڈنے کی کوشش کی جائے تو کہیں نہ کہیں مل بھی جاتا ہے۔ مگر — مگر یہ اُپلے اس قدر بھیگے ہوئے ہیں۔ دیوی کی مار پڑے اِس بنیئے کو — گیلے بیچنے والے پر — کمبخت — نہ تول کا پورا۔ نہ مول کا سچا۔ چاچی ہنستی زور زور سے پھونکنے لگی۔

اُس کے دائیں گال پر جو مسّہ تھا۔ اُس پر اُگے ہوئے بال کانوں میں ہوا بھر جانے سے بڑے مضحکہ خیز طریقے سے ہلتے تھے۔ چاچی ہنستی کا مُنہ بہت کچھ چڑیل سے ملتا تھا۔ اور بات بے بات وہی غُرّانا اُس کی عادت تھی۔

چاچی ہنستی کا بیٹا چندن ایک اوسط درجے کا معمولی فوٹو گرافر تھا۔ اُس کا اسٹوڈیو کارنیوال پارک سے لگا ہوا سڑک کے کنارے اُس پرانے خستہ حالت والے پوشیدہ لکڑی کے شیڈ میں تھا جس پر ٹین کی چھت تھی۔ یہ شیڈ دیکھنے میں یوں بہت پرانا اور شکستہ حالت میں تھا۔ مگر چندن کے کام کے لئے بہت ٹھیک تھا۔ ایک چھوٹا سا ہال تھا جس میں چندن نے اسٹوڈیو بنا رکھا تھا۔ عقب میں ڈارک روم تھا۔ جس پر کالے رنگ کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ اور اس کے اوپر لال بتی روشن رہتی تھی۔ اُس کے قریب ٹرائی پاڈ پہ ایک کیمرہ رکھا رہتا ہے۔ اور بائیں طرف دو رنگین پردے سے ایک پردے میں آبشار گر رہا ہے۔ شہری لوگ جنہوں نے آج تک کسی آبشار کی صورت نہیں دیکھی۔ جن کی ساری زندگی تاریک گلیوں میں گزرتی ہے۔ اس آبشار کے کنارے کھڑے ہو کر تصویر کھنچوانے میں ایک عجیب لذّت محسوس کرتے ہیں۔ دوسرے پردے پر چیتے کی تصویر بنی ہے اور اُس کے اوپر کالے پردے کی ایسی محراب ہے جو پیچھے سے کھلتی ہے۔ گاہک پردے کے پیچھے سے آتا ہے۔ اور چیتے پر ایک ٹانگ رکھ کر فوٹو کھنچواتا ہے۔ لگتا ہے شیر کی سواری کر رہا ہے۔ یہ بھی شہریوں کا جنہوں نے آج تک ٹرام یا بس کے سوا کسی دوسری چیز کی سواری نہیں کی وہ سب کمزور

دیتو لیکن اندر سے بے حد ایڈونچر کی خواہش رکھنے والے لوگ شیر پہ سوار ہو کر تصویر کھچواتے ہیں۔ اور چندرن کا اسٹوڈیو زیادہ تر اس سواری کے پوز پہ چلتا ہے ڈارک روم اور رسوئی کے بیچ میں جو جگہ بچ گئی ہے۔ وہاں ایک پرانا لیکن بے حد کشادہ صوفہ پڑا ہے۔ جو رات کو لالی کے لئے سونے کے بستر کا کام دیتا ہے۔ اس صوفے کے عقب میں جو کھڑکی کھلتی ہے۔ اس میں کھڑے ہو کر آپ کارنیوال کی روشنیاں دیکھ سکتے ہیں۔ اور درختوں سے اوپر فلائی ڈھیل اور میری گو راؤنڈ کے چکر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اور کبھی کبھی جب ہوا کا رخ ادھر کا ہوتا ہے۔ تو کارنیوال کا شور۔ اس کی موسیقی اور اس کے مجمع بازوں کی آوازیں بھی سنائی دے جاتی ہیں۔ لالی کو یہ جگہ بہت پسند ہے۔ رات کو وہ یہیں سوتا ہے۔ دن کو اپنے دوستوں کے ساتھ یہیں تاش کھیلتا ہے۔ جبکہ شوبھا کچن میں کام کرتی ہے۔ اور چاچی ہنستی بڑبڑاتے ہوئے۔ ہر ایک پر حکم چلاتے ہوتے ہوئے کبھی شوبھا کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ کبھی چندرن کے ڈارک روم میں جا کر وہاں کا کام کرتی ہے۔

جب سیکڑی سے شعلے نکلنے لگے۔ تو چاچی ہنستی کے پھولے رخساروں کو کچھ آرام نصیب ہوا، کھڑی ہو کر اس نے پہلے تو اپنی کمر سیدھی کی۔ پھر اپنی میلی ساڑھی کو ٹخنوں تک اونچا کر کے کولہوں میں اڑس لیا۔ پھر سیکڑی اٹھا کے سڑک کے آر پار آگے پیچھے دونوں طرف دیکھا۔ گیارہ بج گئے تھے۔ لیکن لالی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اور یہ ماٹی ملی اس کی بھتیجی لالی پہ ایسی ریجھی تھی۔ کہ اسے چھوڑنے کا نام تک نہیں لیتی تھی۔ حالانکہ قسم سے، لو اگر ان تین مہینوں میں

ایک چھدام بھی لالی کہیں سے کما کے لایا ہو۔ بس پڑا پڑا روٹیاں توڑتا ہے۔ آوارہ گرد کہیں کا۔ رات سے غائب ہے۔ چاچی ہنستی سیکڑی اُٹھائے واپس شیڈ میں گھس گئیں۔ جس کے باہر "چندن اسٹوڈیو" کا بورڈ لگا تھا۔ کیوں وہ لالی اور شوبھا کو اس گھر سے باہر نکال دیتی۔ کونسی شوبھا اُس کی سگی بھتیجی ہے بس اُسے چاچی کہتی تھی۔ کبھی جب بیکار ہوتی۔ تو اُس کے گھر آ کے رہتی تھی۔ جب کام پر ہوتی تو اپنی تنخواہ کی رقم اُس کے پاس رکھ دیتی تھی۔ شوبھا سے اس کو ان سات برسوں میں مطلق کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی تھی — شوبھا واقعی دل کی شریف ہے۔ مگر یہ لالی .... چاچی ہنستی سیکڑی اُٹھائے شوبھا اور رسنا کے قریب سے بڑبڑاتے ہوئے گذر گئی۔

شوبھا اور رسنا اس وقت دونوں ایک چٹائی بچھائے بیچ میں تھالی میں آلو اور پیاز رکھے ایک دوسرے سے محوِ گفتگو تھیں۔ اور بیچ بیچ میں آلو کاٹتی جاتی تھیں اور پیاز چھیلتی جاتی تھیں۔ رسنا اور شوبھا دونوں نے چاچی کو کچن کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور ایک دوسرے کی طرف خاموش لیکن معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر مسکرا دیں۔

رسنا بولی — "میں اُس دن ولیم کے ساتھ کارنیوال گئی تھی۔ وہاں میں نے سنا کہ لالی نے گردھر دادا کو بہت مارا۔"

"مارا — ہا" شوبھا فخر سے بولی — "مار مار کے بچھا دیا۔ ڈھیر کر دیا۔"

"پر میں نے سنا ہے گردھر دادا تو اُس سے بہت تگڑا ہے۔"

"لڑائی جھگڑے میں خالی تگڑے ہوتے سے کام نہیں چلتا۔ اس میں

تیزی اور ہوشیاری چاہیئے۔ جب پھل گرد سے بیچتا جاتا ہے اور تم جاتی ہو۔ لالی پھل کرنے میں بہت تیز ہے۔

رستا نے ایک آلو سینکنے کو پکڑ لیا۔ پھر دوسرے آلو پر چاقو کی تیز دھار رکھ کر بولی۔ "پھر سنے سنا ہے۔ پولیس والی کو تھانے پکڑ لے گئی تھی۔"

شبو بھابی نے ٹھنڈے پانی سے کہا۔ "ہاں۔ پر دوسرے دن چھوڑ دیا۔ ان تین مہینوں میں جب سے ہم چاچی بسنتی کے ہاں رہنے کے لئے آئے ہیں۔ لالی دو دفعہ پکڑا گیا ہے۔ دونوں دفعہ چھوٹ گیا ہے۔"

"پر پولیس والوں نے چھوڑ کیسے دیا؟" رستا نے پوچھا۔

شبو بھابی معصومیت سے بولی۔ "کیونکہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

رستا کو یقین نہیں آیا۔ وہ کچھ کہنے کو تھی۔ کہ چاچی بسنتی کچھ سے اپنے بڑے بڑے کولہے مٹکاتی ہوئی گنگناتی نکلیں اور دونوں سہیلیوں کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔ دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ کر بولیں۔

"باتیں تو بہت ہو رہی ہیں۔ کام کم ہو رہا ہے۔"

"نہیں چاچی۔" شبو بھابی نے اطمینان سے کٹی ہوئی تھالی ہاتھ میں اٹھا کر دکھاتے ہوئے کہا۔ "آلو تو چھیل کر کاٹ دیئے۔ تھوڑی سی پیاز باقی ہے۔"

"پیاز تو بہت جلدی کاٹ کر دے۔" چاچی بولی۔ "وہ تیرا خصم ابھی آتا ہوگا۔ رات بھر سے غائب ہے۔ مگر ٹھیک کھانے کے ٹائم۔ لنچ ٹائم پر ڈکارنے کے لئے آجائے گا۔ دن میں چار پانچ دفعہ چائے پیئے گا۔ مگر کام نہیں کرے گا۔ آج

کوئلے بھی ختم ہو گئے۔ کل سے کوٹیوں کی نئی بوری آئے گی۔ اور راشن بھی۔
مگر وہ کام نہیں کرے گا۔ نہ مجھے کہیں کام کرنے دے گا کہ اس سے اُس کی
شان گھٹتی ہے۔ ایسا ہٹا کٹا نوجوان۔ مگر دن رات پڑا سوتا ہے۔ شرم نہیں آتی
اس نکھٹو کو۔"

شوبھا گھٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ "چاچی۔ اُسے کچھ مت کہو۔"

"کیوں نہ کہوں۔ نکھٹو۔ نکما۔ کام چور۔ پڑا پڑا روٹیاں توڑتا ہے۔ اس
گھر میں نہ ہوتا تو اب تک جیل میں ہوتا۔ تیرے کارن چپ ہوں۔ ہٹر کے
غصے سے آگے بولا نہ گیا۔ چاچی ہنستی نے آنسوؤں بھری تھالی شوبھا کے ہاتھ سے
اُچک لی اور واپس کچن میں چلی گئی۔

جب چاچی چلی گئیں تو رسنا نے کہا۔ "بہت گرم مسجاؤ کی عورت
ہے تمہاری چاچی۔"

شوبھا سر جھکا کے بولی۔ "زبان کھری ہے۔ پر دل سونے کا ہے اس
کا۔ ہر سب کچھ ڈرتے کرتی ہے ہمارے لئے۔ یہ نہ ہوتی تو ہمارا نے آج ہماری کیا
حالت ہوتی۔"

رسنا نے پیاز کی ایک گٹھی کو غور سے دیکھا پھر بولی۔ "مالوم ہے؟"

"کیا؟"

"وہ فوجی نہیں ہے۔"

"اچھا۔؟"

"ہاں۔"

"تم اکثر اُس سے ملتی ہو۔" شوبھا نے یونہی اُس سے پُوچھا۔ حالانکہ اُسے اُس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

رسنا ٹھِٹک کر بولی "اُس نے۔ پرسوں۔ اُس نے۔ پرپوز۔"

"آں۔ ؟" شوبھا کو اب دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ "مجھ سے میرج بنانا چاہتا ہے۔"

"ہاں۔ ایسا ہوتا ہے۔"

"تو تم کیا بولتی ہو۔ ؟"

رسنا نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا۔ "سنو۔ اب میں منگلور کے کرسچین گاؤں کی چھوکری نہیں رہی ہوں ـــ میں بھی اب یاں سے کی چھوکریوں کی طرح سب جان گئی ہوں۔ سب۔ مالوم ؟۔ اب میں اُس سے فلرٹ کرتی ہوں۔"

"فلرٹ۔ ؟" شوبھا کو ہنسی آنے لگی۔ مگر اُس نے اپنی ہنسی روک لی۔ کہیں رسنا خفا نہ ہو جائے مگر رسنا اپنی مسرّت میں مگن اُسے اپنے عشق کا قصّہ سُنانے پر مصر تھی۔ اُسے کچھ اور سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ اس لئے اُس نے شوبھا کی آنکھوں کی چمک اور اُس کے ہونٹوں کی طنزیہ مسکراہٹ پر کوئی غور نہیں کیا۔ بولی۔ "ہاں جب وہ کہتا ہے۔ چلو پارک میں چلو۔ تو میں بولتی ہوں، نہیں۔ وہ پھر مجھے مسکا لگاتا ہے۔ بولتا ہے پارک میں چلنے گی تو نوا اسکارف لے کے دوں گا۔ پھر بھی میں نہیں جاتی اُس کے سنگ۔ پارک میں۔ بس ادھر اُدھر ٹہل کر واپس آجاتی ہوں۔ اور دروازے کے باہر اسے روک کر گڈ بائی کر دیتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر رسنا زور سے ہنسی۔

شوبھا بولی۔ "اس کو تم فلرٹنگ بولتی ہو۔ ؟"

"ہاں۔" رسنا نے بڑے مزے سے سر ہلا کر جواب دیا۔ "پاپ ہے یہ۔ بہت بڑا اسِن ۔ ۔ ۔ ہے۔ پر۔ بڑا مزا آتا ہے فلرٹنگ میں۔"

شوبھا نے بات کا رخ پلٹنے کے لئے پوچھا۔ "کبھی لڑتی بھی ہو۔ ؟"

رسنا ڈراما ئی انداز میں بولی۔ "ہاں۔ جب محبّت کا جذبہ طوفان کی طرح اُبھرتا ہے۔ جیسے فلم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ہم دونوں نے دیکھا تھا۔ یاد ہے تم کو۔ ؟"

"ہاں۔"

بس اُسی طرح وہ میرا ہات اپنے ہات میں لے کر پیلکو ہ ر ل e P گارڈن میں گھومتا ہے۔ میرے سنگ۔ پھر ٹہلتے ٹہلتے مجھ سے کہتا ہے۔ آؤ۔ ہم دونوں ہات جھُلاتے ہوئے گل مہر کے پیڑوں کے نیچے چلتے جائیں۔ پر میں اُس کو کبھی کبھی منع کر دیتی ہوں۔ پر وہ میری خشامد کرتا ہے۔ پھر میں مان جاتی ہوں۔ پھر ہم دونوں ہات جھلاتے ہوئے، گھاس پر چلتے ہوئے گل مہر کے سنہرے پھولوں والی ڈالی کے نیچے چلے جاتے ہیں۔ اور وہاں پہ وہ میری کمر میں ہات ڈال دیتا ہے۔ بالکل فلم .. .. کے اُس سین کی طرح۔ جسے ہم دونوں نے دیکھ کر اس قدر پسند کیا تھا۔ یاد ہے نا۔ ؟ ویسے یوں کرنا بھی گناہ ہے۔ مگر بڑا مزہ آتا ہے۔"

"تمہیں خوشی۔ جو ملتی ہے۔" شوبھا نے رشک آمیز لہجے میں کہا۔

"بہت ہے" رسنا جلدی جلدی بولنے لگی ہے۔ کیونکہ یہی باتیں تو وہ آج شوبھا کو سنانے آئی تھی۔ اور ان باتوں سے اُس کا دل ہی نہیں اُس کا پیٹ بھی بھرا ہوا تھا۔ اس لئے جلدی جلدی ایک لمبا سانس لے کر بولی "مگر سب سے زیادہ خوشی مجھے آئیڈیل لَو میں ملتی ہے۔"

"وہ کیا ہوتی ہے۔؟" شوبھا نے پوچھا۔

رسنا بولی۔ "میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ وہ سب سے اچھی قسم کا لَو ہوتی ہے۔ جب ہم فلرٹنگ اور .. .. سے فارغ ہو کر پارک کے کسی کونے میں جہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔ اکیلے ایک دوسرے کے ساتھ کسی گھنیرے کنج میں بنچ پہ بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ اپنے گال میرے گال سے لگا دیتا ہے۔ اور زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ پہلے تو ہم دونوں کی سانس تیز تیز چلنے لگتی ہے۔ پھر گال سے گال لگائے جیسے ہر دونوں کو نیند آنے لگتی ہے۔ اور گھنٹوں اس طرح چپ چاپ بیٹھے بیٹھے ہم شبنم میں بھیگ جاتے ہیں۔"

یوں کہتے کہتے رسنا خود بھی اس فرضی منظر میں ڈوب گئی۔ اُس نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور کئی لمحے اسی طرح ساکت آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھی رہی۔ پھر ایکا ایک اُس نے آنکھیں کھول کر کہا "اس کو کہتے ہیں آئیڈیل لَو۔ اور یہ سب سے اچھی ہوتی ہے۔"

رسنا چپ ہو گئی۔ شوبھا نے ایک آہ بھری۔ آہستہ سے کہا۔ "وہ کل رات کا گیا ہوا ہے۔ ابھی تک نہیں آیا۔"

"مالکن نے کہا تھا لیزی کو نمائش سے واپس ٹیکسی سے لے کر آنا۔ پر

میں تو اُسے بس میں سے لے کر آئی۔ بیس روپے تو چار روپے پہلے بچ گئے تھے۔ انہیں تم رکھ لو۔" رستا نے اتنا کہہ اپنا پرس کھول کر یہ رقم نکالی۔ شوبھا نے لے کر کہا۔ "تو یہ ملا کر کل تمہارے مجھ پہ بائیس روپیہ آ گئے تھے ہو گئے۔"

"ہاں بائیس روپیہ آتے تھے۔" رستا کو یہ سن کر اطمینان ہوا۔ کیونکہ اُسے شبہ تھا۔ کہیں شوبھا کو پوری رقم یاد نہ ہو۔

شوبھا نے وہ رقم اپنے چھوٹے سے بٹوے میں ڈال کر کہا۔

"اگر وہ کام کرنا شروع کر دے تو کیا مشکل ہے۔"

"کیوں نہیں کرتا۔"

"کہتا ہے اور کوئی کام آتا نہیں مجھے۔ اور اب کارخانوں میں واپس جاؤں گا نہیں۔ اور دوسرے سب کام۔" شوبھا افسوس سے سر ہلا کر بولی۔ "جیسے لالی کی حماقت پر افسوس ظاہر کر رہی ہو۔ دوسرے سب کام اُسے گھٹیا نظر آتے ہیں۔ اس لئے کچھ نہیں کرتا۔ یوں پڑا رہتا ہے۔"

"بری بات ہے۔"

"بوس بابو نے نئی کک رکھ لی ہے؟"

"تین بدل چکے ہیں۔ جب سے تم گئی ہو۔" رستا نے دہرایا۔ پھر رک کر بولی۔ "میرے ولیم نے بیلنا کی چوکیداری چھوڑ دی ہے۔ اب وہ میونسپل کارپوریشن میں نوکر ہو گیا ہے۔ اب اُسے میونسپل کوارٹر بھی مل گیا ہے۔"

"میں کہتی ہوں۔" شوبھا کا من ابھی تک وہیں لالی میں اٹکا ہوا تھا۔

"میں کہتی ہوں۔ تم پھر سے کارخانوں میں کام کرو۔ اگر وہ نہیں مانتا۔ میں

پوچھتی ہوں کیوں — ؟ تو مجھے مارنے لگتا ہے۔ اس سوموار کو اُس نے مجھے بہت مارا ۔"

"تم بھی مار دیں اُسے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"نہیں میں نے کچھ نہیں کہا ۔" شوبھا دُکھی لہجے میں بولی ۔ "وہ مجھے مارتا رہا۔ اور میں روتی رہی ۔"

"اُس کو چھوڑ دو ۔" رسنا غصّے سے بولی ۔

"دل نہیں مانتا ۔ کیا کروں ۔ مار کھا کے بھی اُس کے چہرے کی طرف دیکھتی ہوں ۔ تو سارا غصّہ بھول جاتی ہوں ۔"

"میں تمہاری جگہ ہوتی ۔ تو چھوڑ دیتی ۔ کبھی اُس کا مُنہ نہ دیکھتی ۔ اور ۔" مگر رسنا کہتے کہتے رُک گئی ۔ کیونکہ کچن سے اب چاچی ہنستی ہاتھ میں گرم پانی کی کیتلی لے کر نکل آئی تھی ۔ حالانکہ کچن سے اُس کا راستہ ڈرائنگ روم کو سیدھا جاتا تھا ۔ پھر بھی وہ چکر کاٹ کر ان دونوں لڑکیوں کے پاس سے گزری ۔ اور گزرتے گزرتے رُک کر برافروختہ لہجے میں بولی ۔ " سارا دن تاش کھیلے گا ۔ دادا بن کر لوگوں کا سر پھوڑے گا ۔ غریب چھوکریوں سے پیسے اینٹھے گا ۔ پولیس دیکھتی ہے ۔ منہ دوسری طرف کر لیتی ہے ۔ جانے کیا ہوا ہے ۔ کوئی اُسے ٹھیک نہیں کر سکتا ۔"

شوبھا اور رسنا دونوں سر جھکائے چُپ رہیں ۔

ایکا ایک چاچی ہنستی ٹھہر کر بولیں ۔ " وہ صبح صبح بسنتا بڑھئی آیا تھا ۔"

شوبھا نے بات کا رُخ بدل کر بڑی نرمی سے پوچھا "یہ پانی چائے کے لئے ہے ۔؟"

چاچی پانی کی کیتلی پیچھے کرتی ہوئی بولیں ۔ "بسنتا بڑھئی کی اپنی ورکشاپ ہے ۔ وہ چھ فٹ اونچا ہے ۔ تگڑا ۔ سانولا ۔ رنڈوا ۔ دو بچّوں کا باپ ہے ۔ بیوی مر گئی ہے ۔ تو کیا ہوا ۔ وہ ابھی جوان ہے ۔ اور محنتی ہے ۔ اور شکل صورت کا بھی اچھا ہے ۔ کمائی بھی اچھی خاصی ہے ۔ روز روز شوبھا کے لئے پوچھتا ہے ۔"

شوبھا نے بات ٹالنے کی خاطر رسنا سے کہا ۔ "وہ بائیس روپیہ تو آنے نہیں ہوتے ۔ بائیس روپیہ تیرہ آنے ہوتے ہیں ۔"

"ہاں ۔" رسنا نے دل ہی دل میں حساب کر کے کہا "بائیس روپیہ تیرہ آنے ہی ہوتے ہیں ۔"

چاچی ہنستی مُسکرا کر بولیں ۔ "وہ بڑھئی پانچویں دفعہ یہاں آیا ہے ۔ وہ تم سے شادی بنانا مانگتا ہے ۔ تم کا ہے کو اس جھگڑے سے چمٹی بیٹھی ہو ۔ ٹھیک ہے ۔ بسنتا کے دو بچّے ہیں ۔ جو پہلی بیوی چھوڑ گئی ہے ۔ پر ۔"

شوبھا نے چاچی کی باتوں سے بیزار ہو کر کہا ۔ "چاچی تم کیوں ہلکان ہوتی ہو ۔ کیتلی رکھ دو ۔ میں چائے خود بنا لوں گی ۔"

"بسنتا باہر کھڑا ہے تیرا راستہ دیکھ رہا ہے ۔"

"اُسے کہہ دو چلا جائے ۔" شوبھا تنکے ہوئے لہجے میں بولی ۔"

"وہ پھر آجائے گا ۔" چاچی بولیں ۔" اور ہو گا کیا ۔؟ وہ تیرا دھا کر لالی

اُسے دیکھ کر غصے میں اُس سے لڑنے جھگڑنے ۔ اور معاشرے میں تو عاجز آ گئی ہوں ۔ اُس سے دیکھو ۔ جھگڑا ۔ رگڑا ۔ اقرار ۔"

پھر رسنا کی طرف مخاطب ہو کے بولی "جانتی ہو ۔ اس بے چاری کو دھر کے پیٹ دیا ۔ پچھلے سوموار کو ۔ شنڈہ ہے نزدہ ۔ اور پولیس بھی کچھ نہیں کہتی ایسے لوگوں سے ۔"

رسنا چپ رہی شوبھا بھی چپ رہی ۔ دونوں طرف سے وارثا لی دیکھ کر چاچی بڑبڑاتی ہوئی ڈرائنگ روم میں گرم پانی کی کیتلی لے کر چلی گئی ۔ اُس کے جاتے ہی رسنا نے پوچھ لیا "کوئی بڑھئی تم سے شادی بنانا ہے "

"ہاں ۔"

"تو تم ناں کیوں بولتی ہو ۔"

"اس لئے کہ ۔"

"وہ ایک کچھ کو کما کے نہیں کھلاتا " رسنا بڑھتے ہوئے غصے سے بولی ۔ "اوپر سے مارتا ہے ۔ تو سب کچھ سہتی ہے ۔ اور کچھ نہیں بولتی ۔ کیو نکہ اُس کا نام لالی ہے ۔"

"نہیں ۔ وہ دل کا بُرا نہیں ہے ۔" شوبھا نے گہرے یقین سے کہا ۔

رسنا نے پوچھا " اُس دن جس دن تم دونوں پارک میں بیٹھے تھے اور مجھے بھیج دیا تھا ۔ اُس دن اُس نے ضرور میٹھی میٹھی باتیں کی ہوں گی "

"ہاں —" شوبھا کی آنکھوں میں خوبصورت یادوں کی چمک آنے لگی۔
"اُس دن وہ بہت میٹھا تھا۔ اور مہربان۔ ۔ ۔ ۔ ۔"
"پھر ایک دم جنگلی ہو گیا—" رسنا نے پوچھا۔

"کبھی کبھی وہ ایک دم جنگلی اور وحشی ہو جاتا ہے۔" شوبھا کے چہرے پر متضاد جذبات کی لہریں دوڑنے لگیں۔ "پھر اُس رات بہت میٹھا تھا۔ اب بھی — وہ کبھی کبھی۔ بہت ملائم اور میٹھے لہجے میں بات کرتا ہے۔ رات کو کھانا کھا کے۔ جب وہ اس کھڑکی سے سڑکال کے ناریوں کا سنگیت سنتا ہے تو اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب تری آجاتی ہے۔"

"اس ٹائم کچھ کہتا ہے تم سے — ؟"
"کچھ نہیں کہتا بس دور کہیں دیکھنے لگتا ہے۔"
"تمہاری آنکھوں میں — ؟" رسنا نے پوچھا۔

"بس ایک پل کے لئے" شوبھا نے اُسے بتایا۔ "پھر وہ — آنکھیں چرا لیتا ہے۔" شوبھا نے رسنا سے آنکھیں چرا لیں۔ کیونکہ لالی کو یاد کرتے کرتے اُس کا من بھر آیا تھا۔ اپنے آنچل سے اُس نے ایک آنسو پونچھ کر کہا۔ رسنا وہ بہت دکھی ہے۔ کیونکہ اُس کے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ اس لئے اُس نے غصے میں آکر مجھے پچھلے سوموار کو پیٹ دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی —" رسنا نے نفرت سے سر ہلا کر کہا۔ "تم کو اس لئے پیٹتا ہے۔ کہ اُس کے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ بدمعاش —"

"ہر وقت اُس کے دل پہ بوجھ سا رہتا ہے۔ کبھی کبھی میں بھی مجرم محسوس کرتی ہوں۔ میری خاطر اُس کی نوکری گئی۔"

"تم کو کہاں کہاں چوٹ لگی ہے۔" رسنا نے پوچھا۔

"کہیں نہیں۔" شوبھا بولی۔ رسنا نے غور سے اُس کی طرف دیکھا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ شوبھا اُس کی طرف نہیں دروازے کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اُس نے بھی گردن موڑ کر اُدھر دیکھا۔ تو اُسے مسز ہوشنگ بائی دروازے پہ کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اُس نے ایک بڑی خوبصورت زمرد رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ جس پر آم کے پتے زردوزی کے کام سے کڑھے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں مینا کے کام کی جھانجریاں تھی۔ اور چہرے پر عمدہ میک اپ تھا۔ نک سک سے درست ہو کے پورا لکّل ہر طرح سے تیار ہو کے آئی ہے مُردار۔ رسنا نے سوچا۔ یہ عورت کا ہے کو ہے گدھ ہے گدھ۔ لالی ایسے نوجوان لڑکوں کو نوچ نوچ کر کھاتی ہے۔

شوبھا مسز ہوشنگ بائی کو دروازے سے آگے آتے دیکھ کر تعظیم دینے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

مسز ہوشنگ بائی نے پوچھا۔ "لالی گھر پہ ہے۔"

"نہیں۔" شوبھا نے جواب دیا۔

مسز ہوشنگ بائی اُس صوفے پہ بیٹھ گئیں جو کھڑکی کے بالکل سامنے رکھا ہوا تھا۔ بولیں۔ "میں اُس کا ویٹ کروں گی۔"

رسنا سے رہا نہیں گیا۔ اُس نے بڑے تیکھے سُر میں پوچھا۔ "بڑی

ہمّت ہے تمہاری - اس گھر میں آئی ہو۔"

مسز ہوشنگ بائی اُسے ڈپٹ کر بولی " کیا تم اس گھر کی مالکن ہو۔ زبان سنبھال کے بات کرو۔ نہیں تو ایک ہاتھ دُوں گی۔"

" مگر کا ہے کو۔ شوبھا کے گھر میں آئی ہو۔ میں پوچھ سکتی ہوں۔" رسنا نے پھر کہا۔

" تم سے مطلب ۔۔۔ ؟" مسز ہوشنگ بائی بھڑک کر بولی۔ پھر شوبھا سے مخاطب ہو کر ذرا نرم لہجے میں بات کرنے لگی " تم اس چھوکری کی باتیں مت سُنو۔ ڈارلنگ تم جانتی ہو میں کیوں آئی ہوں۔ ؟" میں اُس لوفر۔ نکمّے۔ سیٹھ کو کام دینے آئی ہوں۔ وہ میرے کوٹھے پر آ کر اپنا کام شروع کر سکتا ہے۔"

رسنا بولی " مادام ۔ ؟ وہ تین مہینے سے تیرے کوٹھے پر نہیں گیا۔ تو کیا بھوکا مر گیا۔ ؟"

" تجھ سے کوئی بات کرتا ہے۔ ؟" مسز ہوشنگ نے رسنا کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور شوبھا کو بڑے نرم لہجے میں سمجھانے لگی۔ " مگر تم تو مجھے سمجھتی ہو۔"

رسنا کو بے حد غصّہ آ رہا تھا۔ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اُسے شوبھا کا یوں چپ رہنا ایک دم نہ بھایا۔ کھڑی ہو کر شوبھا سے کہنے لگی۔ " میرا گھر ہوتا تو میں ایک دم اسے باہر نکال دیتی۔ وہ تو میں کہہ نہیں سکتی۔ پر چلی جاتی ہوں۔ گوڈ بائی۔"

شوبھا کے کچھ کہنے سے پہلے مسز ہوشنگ نے طنزاً اُس سے کہا۔

"گڈبائی۔" اور بڑے ادب سے جھکیں رسنا کے سامنے گویا اُسے دروازہ دکھا رہی ہوں۔ رسنا دروازے تک غصّے میں بھنّاتی ہوئی گئی۔ پھر مڑ کر شوبھا سے بولی "تیرہ آنے۔"

"ہاں۔" شوبھا بولی "تیرہ آنے۔"

"گڈبائی۔" رسنا ہاتھ ہلاکر باہر نکل گئی۔ شوبھا سرجھکائے دروازے سے چل کر کچن کی طرف جانے لگی کچن کی طرف جانے کے لئے اُسے ہال کی لمبائی کا پورا راستہ طے کرنا تھا۔ اور مسز ہوشنگ بائی کے پاس سے گزرنا بھی تھا۔ اور یہی کام سب سے مشکل تھا۔ وہ اُس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ رسنا کی طرح مُنہ پھٹ بھی نہیں تھی۔ ویسے جو کچھ رسنا نے کہا۔ ایک طرح سے شوبھا کی طرف سے کہا تھا۔ وہ سب باتیں سن کر بھی یہ عورت یہاں سے نہیں جاتی یا کہ صوفے پر بیٹھ کر لالی کا انتظار کرتی رہے۔ تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ بس یہی کر سکتی ہوں۔ کہ چپ چاپ سرجھکائے ہال کمرے کے دروازے سے پورا فاصلہ پار کر کے دوسرے کونے میں کچن میں چلی جاؤں۔ شوبھا سوچتے ہوئے سرجھکائے چلنے لگی۔ اُس کے کانوں میں مسز ہوشنگ کی آواز آنے لگی۔"

"میں اُسے روز کے تین روپیہ دیتی تھی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اور سنڈے کے سنڈے پانچ روپیہ دیتی تھی۔ سگریٹ الگ تھرّے کی بوتل الگ گراہک سے جو ٹپ ملتا تھا۔ وہ الگ۔ سنتی ہو۔ ہا" شوبھا چلتے چلتے رُک گئی۔ مگر اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہوشنگ بائی نے پھر شروع کیا "اس پر بھی وہ بھوکا مرے گا۔ مگر مجھ سے معافی نہیں مانگے گا۔ اچھا گولی مارو

معافی کرو۔ اُسے بولو میرے پاس نہ آئیں آ جائے۔" شوبھا کے دل میں کچھ غصہ سا اٹھا۔ "وہ سب لڑکیاں پوچھتی ہیں ——" مسز پرشنگ کی آواز اونچی ہو گئی — اُس میں حسد اور نفرت کے جذبات لہریں لینے لگے جیسے میں تعریف بھی تھی مگر شک بھی تھا۔ اور غصہ بھی۔ "اور بار بار پوچھتی ہیں —" وہ بہکنے لگی۔ "میری جوتی سے، وہ کچھ کام سے یا اس گندی کھولی میں رہتے۔ پر ہر ایک اُس کو پوچھتے ہیں۔ اور تجھے نرس کرنا ہے۔ اس سے جب آئی تو وہ میری جوتی اوپر پڑی تھی۔ ایکا ایک مسز پرشنگ چپ ہو گئیں۔ کیونکہ اُس نے شوبھا کا بدلتا ہوا چہرہ دیکھ لیا تھا۔ شوبھا جو اب تک ٹین تک پہنچ گئی تھی۔ ایکا ایک کسی اندرونی مسرت سے گنگنا رہی تھی۔ وہ کچن سے دالان کی دہلیز پر پھر دروازہ تک گئی۔ کیونکہ وہاں لالا کھڑا تھا۔ وہ ڈر کر وہ لالی پر اپنی ہاتھ رکھنے والی تھی کہ خاموش ہو کر کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ لالی کے پیچھے اُس کا دوست جھکا آرہا تھا۔ جو شکل و صورت سے عادی شرابی دکھائی دیتا تھا۔ اور جس کے ساتھ لالی دن بھر تاش کھیلتا رہتا تھا۔ یا جس کے ساتھ لالی تنخواہ کے دن پیچھا کر شراب پیتا تھا۔ جھکا دبلا پتلا بڑی عیار آنکھوں والا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ جس کی عمر تیس سے پچاس تک ہو سکتی تھی۔ کیونکہ شکل و صورت سے اُس کی عمر کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ اُس کا چہرہ بڈھا تھا۔ مگر جسم بے حد جوان اور پھرتیلا تھا۔

لچکیلا چیتے سا، چپٹے سر۔ جیسے بل سے نکلتا ہوا کوئی خطرناک کیڑا۔ اُسے دیکھ کر — اس کے بدلے ہوئے لباس کو دیکھ کر — اُس پر انسان

سے زیادہ کسی خطرناک کیرطرے کا خیال آتا تھا۔ شوبھا کو اُس سے بڑی نفرت تھی۔ اور جھگا بھی کبھی اُس کی نگاہوں کا سامنا نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ آنکھیں چرا کر، بدن چرا کر بات کرتا تھا۔ شوبھا مسرت سے آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی۔ اور سنجیدہ ہو کر لالی سے بولی۔

"ہوشنگ بائی آئی ہے۔"

"ہاں۔ دیکھ رہا ہوں۔" لالی نے بڑی سختی سے کہا۔

"تو بات کرو اُس سے۔" شوبھا بولی۔

"کس واسطے۔" لالی بھڑک کر کہنے لگا۔ "اور تم یہاں کیوں کھڑی میرا مُنہ تک رہی ہو۔ کیا چاہیئے تم کو۔"

"کچھ نہیں۔" شوبھا ڈرتے ڈرتے بولی۔

"تو اپنا مُنہ بند رکھو۔" لالی جھلا کر بولا۔ "ورنہ ابھی کہنے لگو گی۔ کہاں تھے رات بھر۔ کدھر گئے تھے۔ گھر پہ کیوں نہیں آئے۔ کام کیوں نہیں کرتے۔ میرے رشتے داروں کی روٹیاں توڑنے آجاتے ہو۔"

"مگر میں تو کچھ نہیں کہہ رہی ہوں۔" شوبھا آبدیدہ ہو کے بولی۔

"کہہ نہیں رہی ہو۔ پر زبان کی نوک پر سب کچھ ہے۔" لالی غصّے سے بولا۔ "مجھے سب معلوم رہتا ہے اس لئے اپنی زبان بند رکھو۔ ورنہ۔۔۔"

لالی نے غصّے سے ہاتھ اُٹھایا۔ شوبھا سہم کر دیوار سے لگ گئی۔ مسز ہوشنگ بائی بھی لالی غصّے میں کسی پنجرے میں بند چیتے کی طرح ٹہلنے لگا۔ بال پریشان کپڑے میلے۔ داڑھی بڑھی ہوئی۔ کالا اُجلا ہوا مُرجھا اترا۔۔۔ کیا یہ وہی

لالی ہے۔ مسز ہوشنگ نے سوچا پھر اُس کی نظر جھنگے پر گئی۔ وہ بھی جھنگے کو جانتی تھی۔ مٹیالی گہرے رنگ پتلون کے پائنچے گھٹنوں تک چڑھے ہوئے تھے۔ آنکھوں کی پتلیاں تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کرتی ہوئی۔ کوتاہ گردن۔ تنگ پیشانی حرامزادے کی نشانی۔ مسز ہوشنگ بائی ضِد میں بڑبڑائی۔ پھر بھڑک کر جھنگے سے کہنے لگی "تم ہی اسے ہمیشہ یہاں سے گھسیٹ کر لے جاتے ہو۔ کبھی جوا کھلانے۔ کبھی ناچ کھلانے۔ کبھی ٹھرا پلانے میں تم کو حوالات میں بند کروا دوں گی۔

جھنگے کی لمبوتری ناک کے ٹیڑھے ٹیڑھے نتھنے بڑی حقارت سے بھڑکے۔ اُس نے بے حد کثیف اور بلغمی لہجے میں کہا "میں تیری ایسی شریروں سے بات کرنا نہیں چاہتا۔" جھنگے نے اتنا کہا۔ اور پیچھے چلا گیا۔ دیوار سے لگ کر اور منہ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ جیب میں ڈال لئے۔ اور اوپر ٹین کی زنگ آلود چھت کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔

شوبھا نے پھر لالی سے کہا۔ مسز ہوشنگ بائی تم سے ملنے آئی ہیں۔"

"آئی ہے تو بات کیوں نہیں کرتی۔"

مسز ہوشنگ بائی بولی۔ "کیوں تم ہر سمے اس غنڈے کے سنگ گھومتے رہتے ہو۔ یہ تم کو کسی دن چوری ڈکیتی میں پھنسا دے گا۔"

"میں کب اس کے سنگ گھومتا ہوں۔ تم کو اس سے کیا۔؟"

لالی کڑک کر بولا۔ "جو میرے جی میں آئے گا کروں گا۔ تم اپنی بات کرو۔ تم کو کیا چاہیئے۔"

مسز ہورشنگ اُس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے بولی۔ "تم کو اچھی طرح معلوم ہے تجھے کیا چاہیئے۔"

"نہیں مجھے نہیں معلوم ہے" لالی نے جواب دیا اور آنکھیں پھیر لیں۔

"نہیں معلوم۔" مسز ہورشنگ کے گال غصے سے لال ہونے لگے۔

"تو کیا یہاں میں کسی کو ڈھونڈنے آئی ہوں۔"

لالی نے پوچھا "تجھے کیا تیرا پیسہ دینا ہے۔؟"

"ہاں دینا ہے۔" مسز ہورشنگ کا لہجہ بہت ہی تیز تھا "پہلے میں اس وقت تجھ سے پیسے مانگنے کے لئے تیرے پاس آئی ہوں۔ پیسہ مانگتے ہیں کیا تیرے ایسے لوگوں کے پاس آؤں گی۔ شام کے بعد میرے پاس بیٹھ۔ تو اچھی طرح جانتا ہے تجھے کیا چاہیئے۔"

اب لالی سیدھے سیدھے مطلب کی بات پر آ گیا بولا "تیرے پاس گرو بھر چرس ہے۔"

"ہاں ہے تو۔"

"وہ بھی اتنا ہی اچھا جیسا پچھلی بار تھا میں چاہتا ہوں۔"

"ہاں وہ بھی بہت اچھا یاد رکھ ہے۔" مسز ہورشنگ نے بڑی دلجوئی سے سر ہلایا۔ "اور میں اس کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ یہ میرے بوڑھے پر کام زیادہ ہے تجھے ایک نہیں دو بار کرنا چاہیئے۔"

لالی نے پوچھا "جب میں نہ تھا تو آپ نے کیسے کام چلایا تھا۔"

مسز ہورشنگ نے اس سوال کا جواب تو نہیں دیا۔ وہ چند لمحوں

کے لئے چپ رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ جس میں التجا کا شائبہ سا تھا "اگر تم آجاؤ تو میں اُسے نکال دوں گی۔"

لالی بولا "کیوں۔؟ اگر وہ اتنا ہی اچھا ہے تو اُسے کیوں نکال دو گی۔؟"

لالی کے چہرے پر اب شیطانی مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ مسز ہوشنگ کے دلائل کمزور پڑ رہے ہیں۔ مسز ہوشنگ نے اُس کی طرف دیکھ کر آنکھیں جھکا لیں۔ اُس کے اوپر کے ہونٹ پر پسینے کے چند قطرے نظر آنے لگے۔ لالی کا دل بلّیوں اچھلنے لگا۔ اُس نے شوبھا سے کہا "سپاچی سے کہو ایک کپ چائے دے دے۔"

جب شوبھا کچن میں چلی گئی۔ تو وہ بولا۔

"ہوں ...... تو کیا گردھر بہت اچھا ہے۔؟"

اتنا کہہ کر لالی اپنے پرانے صوفے پر بیٹھ گیا۔ جو کھڑکی کے سامنے رکھا تھا۔ مسز ہوشنگ جو کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ اب وہاں سے چل کر لالی کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔ اور اُس کی طرف دیکھ کے متفکر لہجے میں بولی۔ "تم رات کو گھر پر کیوں نہیں آجاتے۔ باہر کیوں سوتے ہو۔؟ دیکھو تو کیسی حالت ہو گئی ہے تمہاری۔"

لالی ہونٹ چباتے ہوئے بولا "ہو گا بہت اچھا ہے نا وہ۔؟ تمہارا گردھر۔"

"ماتھے پر سے بال ہٹاؤ۔" وہ بولی۔

"رہنے دو۔ تم کو کیا۔؟"

مسز ہوشنگ کی آواز دھیمی پڑتی گئی لہجے میں اپنائیت آتی گئی ۔ آہستہ سے اُس کے بال اُس کے ماتھے سے ہٹا کر بولی ۔" لالہ اگر میں تم سے کہتی بال آگے کرو ماتھے پر۔ تو تم ضرور پیچھے ہٹا لیتے ۔ ؟" پھر جب لالی کچھ نہیں بولا ۔ جب لالی نے اُسے بالوں کی لٹ ہٹانے دی۔ تو اور قریب ہو کر بولی ۔" سنا ہے تم اُسے مارتے پیٹتے ہو ۔"

" تمہیں کیا ۔"

" بڑے دادا بنتے ہونا ۔ اُس چھوٹی سی کچی عمر کی لڑکی کو پیٹتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی ۔"

" اُس کی بات مت کرو۔ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ اس کی جگہ تم ہوتیں ۔"

لالی اُس کی طرف پرانی اپنائیت سے دیکھنے لگا۔

مسز ہوشنگ اٹھلانے لگیں ۔ بولی " ایسی بے وقوف نہیں ہوں ۔" پھر ایکا ایک چپ ہو گئیں ۔ کچھ سوچا ۔ کچھ غور کیا ۔ کچھ اپنا خیال آیا ۔ ایک آہ بھر کے اُداس لہجے میں بولی ۔" پر ہوں تو ۔ نہ ہوتی تو تمہارے پیچھے پیچھے کیوں بھاگتی اس طرح یہ کیا کیا کرنا پڑتا ہے اس بزنس کے لئے ۔ اگر اپنا بوتھ بیچ سکتی تو آج ہی بیچ کر اس شہر سے چلی جاتی ۔" پھر لالی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی ۔" لالی ضد مت کرو ۔ واپس آجاؤ میرے پاس ۔ میں تمہاری پگھار بڑھا دوں گی ۔"

لالی چپ رہا۔

مسز ہوشنگ اُس کا کندھا ہلا کر بولی ۔" سنتے ہو ۔ ؟"

لالی کا من ٹھنڈا تو ہوا۔ پر اچھی طرح سے نہیں ہوا۔ مسز ہوشنگ کے پاس جانے سے پہلے وہ اُسے اچھی طرح جھکا لینا چاہتا تھا۔

"پر میرے بغیر تمہارا بزنس تو اُسی طرح چلتا ہے۔"

مسز ہوشنگ گھٹے ہوئے سُروں میں بولی "چلتا ہے۔ پر اُس طرح نہیں چلتا۔"

لالی کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ وہ بولا "اس کا مطلب ہے تمہیں میری کمی محسوس ہوتی ہے۔"

مسز ہوشنگ لالی کی چالاکی سمجھ گئی۔ اس لئے فوراً پینترا بدل کر بولی۔ "مجھے۔؟ ہرگز نہیں۔ پر وہ بے وقوف نرسیں۔ آیائیں۔ کھلائیاں۔ ٹائپسٹ گرل۔ وہ سب چھوکریاں تمہیں پوچھتی ہیں۔ اب زیادہ خدمت کرو۔ واپس آجاؤ۔"

لالی نے کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا "اور اسے چھوڑ دوں۔؟"

"تم اسے مارتے پیٹتے ہو۔ ہے نا۔؟"

مارتا ہوں۔ پیٹتا ہوں جیسے روز کی بات ہو۔ لالی بھڑک کر کہنے لگا۔ "کون تم سے کہتا ہے یہ؟ جہاں جاتا ہوں۔ یہی سنتا ہوں۔ سارے ماہم، باندرے میں یہی بات مشہور ہے۔ میں شوبھا کو پیٹتا ہوں.... میں شوبھا کو پیٹتا ہوں۔ بس پچھلے سوموار کو ذرا سا ہاتھ لگا دیا تھا۔ اُسے پیٹنا کہتے ہیں۔ پیٹا تو میں نے گردھر کو تھا۔ یاد ہے۔؟ اُسے بھی یاد ہی ہوگا۔" لالی کا چہرہ فتح کی تصویر بن گیا۔ گردھر دادا کی جو گت اُس نے بنائی تھی۔

اُس کی جھلکیاں اُس کے ذہن میں آتے گئیں۔ اُس کی گردن فخر اور غرور سے تن گئی۔ مسز ہوسٹنگ نے اُس کا موڈ سمجھ کے اس کو پچکارا۔ بولی۔ اچھا! اچھا! اس بات کو جانے دو۔"

"پیٹتا ہوں اُسے" لالی اُسے خفا ہو کے بولا۔ "واہ۔ میں کیوں روز روز اُسے پیٹوں گا۔"

مسز ہوسٹنگ بولی۔" ارے جانے دو۔ کیا رکھا ہے اُس چھوکری میں۔ کا ہے کے لئے اس قدر اُس کے لئے سوچتے ہو۔ تمہیں صرف تین مہینے ہوئے ہیں اُس سے شادی کئے ہوئے۔ تمہاری آنکھوں سے لگتا ہے۔ تمہارے چہرے لگتا ہے کہ تم اُس سے عاجز آ چکے ہو۔ بیزار ہو چکے ہو۔ اس کھڑکی سے باہر دیکھو۔" مسز ہوسٹنگ نے بڑے پیار سے اُس کی گردن کھڑکی کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "اس کے باہر تمہارا کارنیوال ہے۔ اُس کی آوازیں سُنتے نہیں ہو۔ قریب ہی میرا لوکنتھ ہے۔ ہمارا گنڈ لک میں ہے۔ روپیہ۔ ایسے احمق تو تم کبھی نہیں تھے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ رات بھر کہاں رہے۔ کیا حالت بنالی ہے تم نے۔؟"

"تم کو کیا۔؟"

تم تو ہمیشہ صاف ستھرے رہا کرتے تھے۔ ایک شہزادے کی طرح۔ پورے کارنیوال میں تمہارے ایسا بانکا ایک بھی نہ تھا۔ کہاں پڑے ہو۔ تمہیں معلوم ہے میں نے نیا آرگن خریدا ہے۔"

"ہاں۔ معلوم ہے۔"

اس کھڑکی سے اُس کی آواز آتی ہے۔ "اچھا لگتا ہے؟"

"بہت اچھا ہے۔" لالی نے ہونٹ چبا کر کہا۔

مسز ہوشنگ اُس کے بہت قریب چلی گئی۔ گہرا سانس لے کر بولی "اس کو قریب سے سنو جب وہ بول رہا ہے۔ اور اگر گیت گاتا ہے تو لگتا ہے سا چھا جاتا ہے۔ وہاں آ کے سنو۔" کچھ دیر کے لئے خاموش رہ کر بولی۔ "میں نے دو چڑیا نے انگیٹھی کے گھونسلے میں بچے پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ جن کے کان ٹوٹ گئے تھے۔"

"ان کا نام کیا رکھا ہے۔" لالی کے دل میں پرندوں کے لئے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔

"بوجھو۔" مسز ہوشنگ نے اس کا شوق بڑھانے کے لئے کہا۔

لالی نے آنکھیں بند کر کے غور کرتے ہوئے کہا۔

"ہیرا؟"

"نہیں۔"

"گینڈا؟"

"نہیں۔" مسز ہوشنگ خوشی سے چہک پڑیں۔ "موٹر کار۔" پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بولی۔

لالی کے چہرے پر خوشی کی لہریں آتے جانے لگیں۔ مسز ہوشنگ اُس کا موڈ دیکھ کر دل سے پردہ اٹھاتے ہوئے بولیں۔ "اگر تم بھی ذرا بھی

عقل ہو گئی۔ تو وہ واپس آ جاؤ گے۔ یہاں پڑے پڑے کیوں سڑ رہے ہو۔ وہاں تمہارا آرٹ تمہیں واپس مانگتا ہے۔" اُس نے تو حشامد کرتے ہوئے اپنا آخری حربہ استعمال کیا۔ "تم ایک آرٹسٹ ہو۔ آرٹسٹ ایک شادی شدہ۔ احمق نہیں ہو۔"

لالی اپنے کارنیوال کی دُنیا میں گھومتے گھومتے رُک گیا۔ گھبرا کر بولا۔ "اُس کو چھوڑ دوں۔ اس بے چاری ننھی سی مُنیا کو۔"

"اُس کی قسمت بھی سُدھر جائے گی۔" مسز ہوسٹنگ بولیں۔ "وہ پھر کسی بنگلے میں لگ جائے گی۔ اپنی چاچی کے۔ یہاں نہیں پڑی رہے گی۔ آ جاؤ لالی۔ وہاں تمہیں سب کچھ ملے گا۔ بڑھیا سگرٹ۔ اور بیئر۔ روز کے چار روپیہ دوں گی۔ سنڈے کو چھ روپیہ دوں گی۔ اور کارنیوال کا ہنگامہ۔ گانا۔ ناچ۔ لونڈیاں۔ چھوکریاں، لڑکیاں، نت نئے کپڑے۔ میں نے تمہیں ہمیشہ اچھا رکھا ہے۔" پھر لالی کی کلائی کی گھڑی پر ہاتھ رکھ کے بولی۔ "یہ گھڑی بھی میں نے تم کو خرید کے دی تھی۔"

لالی کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ ہونٹ بھی سکڑ گئے۔ ماتھا بھی سکڑ گیا۔ سوچتے ہوئے بولا۔ "پر وہ شریف لڑکی ہے۔ دوبارہ کسی کے گھر نوکری نہیں کرے گی۔"

مسز ہوسٹنگ آہستہ سے ہنسی۔ "تم بچے ہو۔ تم اُسے چھوڑ دو گے تو وہ مر جائے گی۔ ایسے اگر لڑکیاں مرنے لگیں۔ تو بمبئی میں ایک چھوکری باقی نہ رہے۔"

لالی نے قائل ہو کر سیدھے مسز ہوشنگ کی آنکھوں میں دیکھا
مسز ہوشنگ نے بھی مسرور ہو کر سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
لالی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بولا۔" تو گردھر کو کوئی پسند نہیں کرتا۔"

"اُس میں وہ بات کہاں جو تم میں ہے۔"

"نو۔"

"بس اب زیادہ حجت نہ کرو۔" مسز ہوشنگ پلّہ اپنی طرف جھکتے دیکھ کر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بولیں۔" اب واپس چلے چلو۔ تم کار نیوال کی خوبصورت زندگی کے لئے بنے ہو۔ یہاں اس کھولی میں سڑنے کے لئے نہیں۔ وہ زندگی ہے تمہارے لئے آرام کی زندگی۔ صاف ستھرے کپڑے ہنسی مذاق۔ میوزک۔ میں تم کو وہ انگوٹھی بھی دے دوں گی۔" وہ معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔" جو میرے مرحوم شوہر نے مجھے دی تھی۔"

لالی نے سوچتے سوچتے کہا۔" پر وہ اس طرح کی حرکت کو پسند کرے گی۔ اور اگر میں واپس جانے کا فیصلہ بھی کر لوں۔ تو اُس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ میری بیوی تو رہے گی۔

یک لخت مسز ہوشنگ کو اُچھو سا آ گیا۔ لالی نے حیران ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور پوچھا" کیا ہوا۔؟"

"کچھ نہ۔" مسز ہوشنگ اُسے سمجھاتے ہوئے بولی۔" جب میرے

بوجھ پر تمہاری وجہ سے ٹکٹ خریدنے والیوں کو معلوم ہو گا۔ کہ تم شادی شدہ ہو۔ روز شام کو اس کے پاس گھر جاتے ہو۔ تو کون ٹکٹ خریدنے آئے گی۔ تمہارے ہاتھ سے۔ یہ تمہاری ساری کشش دلکشی اس بات میں ہے۔ کہ تم کنوارے ہو۔ کنوارے رہو گے۔ ہمیشہ اس لڑکی کو تمہیں چھوڑنا ہو گا۔

"میں سمجھ گیا تم کیا چاہتی ہو۔" لالی نے کہا۔

مگر مسز ہوشنگ نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب لالی نے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے آہستہ سے آنکھیں جھکا لیں۔ لالی نے پوچھا۔

"تو وہ ہیرے والی انگوٹھی مجھے دے دو گی۔"

"ہاں دے دُوں گی۔"

لالی نے خوش ہو کر سر ہلایا۔ پھر بالوں کی وہی سرکش لٹ۔ اس کے ماتھے پر لوٹ آئی۔ مسز ہوشنگ نے بڑے پیار سے اُسے ماتھے سے ہٹایا۔ بولی۔

"جو چاہو لے سکتے ہو۔" اُس کی انگلیاں ہولے ہولے لالی کے ماتھے کو چھُونے لگیں۔

لالی نے اُداس ہو کر کہا۔

"میں اس گھر میں خوش نہیں ہوں۔"

"یہاں تمہاری دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔" وہ اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ اتنے میں شوبھا کچن سے چائے کا

کپ لے کر اندر آ گئی۔ اُسے آتے دیکھ کر مسز ہوشنگ نے فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ مگر شوبھا نے دیکھ لیا تھا۔ اور لالی کو بھی معلوم تھا۔ کہ شوبھا نے دیکھ لیا ہے۔ اس لئے اُس نے شوبھا کے ہاتھ سے کپ لے کر اُسے بڑی کڑی نظروں سے گھور کر بڑی سختی سے کہا "کچھ چاہیئے۔؟"

"نہیں" شوبھا نے گھبرا کر کہا۔ اور واپس کچن کے اندر چلی گئی۔

اُس کے جانے کے بعد مسز ہوشنگ نے دوسرا پانسہ پھینکا۔ بولی۔ "وہ بڑھیا ہنستی کہتی ہے۔ ایک بڑھئی ہے بس تنا۔ رنڈوا ہے۔ پر اُس سے"

"مجھے معلوم ہے۔ معلوم ہے۔" لالی کڑوے لہجے میں بولا۔ اُسے یہ ذکر بھی پسند نہ تھا۔ مسز ہوشنگ چپ ہو گئیں۔

اتنے میں شوبھا کچن سے پھر باہر آ گئی۔ لالی اُس کی طرف ان ہی کڑی نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔ "کیا ہے۔؟"

"لالی۔ میں پھر بھول جاؤں گی۔ مجھے۔ کچھ کہنا ہے۔"

"کہنا ہے تو کہو۔"

"وہ۔ میں۔" شوبھا رُک رُک کر بولی۔ "میں کل تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر۔" اتنا کہہ کر شوبھا رُک گئی۔

"ہاں ہاں بتاؤ۔"

"اکیلے میں بتاؤں گی۔ اندر کچن میں آ جاؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔ "ایک منٹ میں بتا دوں گی۔"

لالی نے جھلّا کر کہا۔ "جانتی ہو یہ مسز ہوشنگ ہے۔ برنس

کی بات کر رہا ہوں۔ نہ بیچ میں تم آجاتی ہو۔ اپنی کوئی فضول سی بات کہنے کے لئے۔۔۔۔۔"

شوبھا نے لجاجت سے کہا "بس ایک منٹ لگے گا۔"

"گٹ آؤٹ۔" لالی غصے سے چلایا۔

"میں کہتی ہوں۔ بس ایک منٹ سے بھی کم میں بتا دوں گی۔ وہ کوئی فضول بات نہیں ہے۔"

"جاتی ہے کہ دوں۔" لالی نے ہاتھ اٹھایا۔

شوبھا وہیں اس کے سامنے جم کر بولی۔ "نہیں جاؤں گی۔"

لالی اُسے مارنے کے لئے صوفے سے اُٹھ کھڑا ہو گیا کہ مسز ہوشنگ بائی جلدی سے بولیں۔ "نہیں نہیں۔ اس میں ہے کیا۔ سن لو۔ ایک منٹ میں کیا ہو جائے گا۔ اس کی بات سن لو۔ جب تک اُدھر میں دیوار پر لگی تصویریں دیکھتی ہوں۔ اسٹوڈیو کے باہر۔۔۔۔۔۔"

مسز ہوشنگ بائی اُن دونوں کو اکیلا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ لالی گھور کر شوبھا کو غصے سے دیکھنے لگا۔ شوبھا بولی۔

"اس طرح گھور کر مجھے مت دیکھو۔ مارنا چاہتے ہو۔ تو پھر دو ہاتھ لگا دو۔ مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

لالی نے دانت پیس کر کہا۔ "تو جلدی سے کہہ ڈالو۔"

"اتنی جلدی سے نہ کہہ سکوں گی۔" شوبھا آہستہ سے بولی۔ اور کپ اُٹھا کر پھر لالی کو دیتے ہوئے بولی "تم چائے کیوں نہیں پیتے۔؟"

"میں کہتا تھا تمہیں ۔ ؟"

"نہیں ۔" شوبھا بولی ۔ "پر جب تک چائے ختم کرو گے میری بات بھی ختم ہو جائے گی ۔"

لالی اُس کے ہاتھ سے کپ لے کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے چائے پینے لگا ۔ بیچ میں بولا ۔

"لو ۔"

وہ بولی ۔ "کل جب دن میں میرے سر میں چکر آ رہا تھا ۔ اور تم نے مجھ سے پوچھا تھا ۔"

"ہاں ہاں پوچھا تھا پھر ۔ ؟"

"ہاں ۔ تو بس ۔ یہ وہی بات ہے ۔" شوبھا نے گہرا سانس لیا ۔

لالی بولا ۔ "کیا تم بیمار ہو ۔"

"نہیں ۔ پر تم نے پوچھا تھا ۔ میرا سر کیوں گھومتا ہے ۔ مجھے چکر کیوں آتے ہیں ۔ میں بدلی بدلی کیوں دکھائی دیتی ہوں ۔"

"بدلی بدلی کیوں دکھائی دیتی ہو ۔" اُس سے میرا مطلب اُس بڑھتی کی وجہ سے تھا ۔ اس لئے پوچھا تھا ۔

"کیا ۔ ؟" شوبھا حیرت زدہ ہو کر بولی ۔ پھر اُس کی بات سمجھ کر مسکرا دی ۔ بولی ۔ "نہیں ۔ میرا بدلنا اُس کے لئے نہیں ہے ۔ مورکھ ۔ وہ بات یہ ہے ۔" وہ لجا کر بولی ۔ "کہ ۔ کہ مجھے شرم آتی ہے ۔"

"ایسی بُری بات ہے ۔" لالی نے سنجیدہ ہو کر پوچھا ۔

"بُری بات تو نہیں ہے۔" شوبھا بولی۔ "بالکل نہیں ——— پر ———"

"لالی گرج کر بولا۔ "سالی بکواس کئے جاتی ہے۔ بولتی کیوں نہیں۔ کیا بات ہے؟"

ایکاایک شوبھا نے سسکی سے کر کہا۔ "لالی ——— میں ——— ماں بننے والی ہوں ———"

اتنا کہہ کر اور فوراً منہ چھپا کر شوبھا روتے ہوئے کچن میں بھاگ گئی۔ اتنے میں جھگّا باہر سے آیا۔ اور لالی کو اکیلا دیکھ کر اُس کے قریب آنے لگا۔ لالی نے اُسے دیکھ کر کچھ خیال نہ کیا۔ وہ اُس وقت سے محوِ حیرت تھا۔ اور بیالی اُس کے ہاتھ میں ٹکی ہوئی تھی۔ اور اُس نے حیرت زدہ چہرے کو جھگّے کی طرف کر کے آہستہ سے کہا۔

"جھگّے۔ شوبھا کے بچہ ہونے والا ہے ———"

جھگّا اپنے ناخن دانتوں سے کاٹتا ہوا بولا۔ "ایں ——— بچہ ——— ؟ تو کیا ہوا۔ ہوتے ہی رہتے ہیں بچے ——— روز ہوتے ہیں۔ ساری دُنیا میں ہوتے ہیں ———"

"گٹ آؤٹ ———" لالی کو ایک دم غصہ آ گیا۔ جھگّا کسی ردِ عمل کا اظہار کئے بغیر سر جھکائے اسٹوڈیو سے باہر چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی مسز ہوشنگ اندر آ گئی۔ آتے ہی شوبھا کے بارے میں پوچھنے لگی ———

"وہ چلی گئی ——— ؟"

"ہاں ———"

تو مسز ہوشنگ نے اطمینان کا سانس لے کر اپنا بٹوا کھولا۔

"تو میں تمہیں بیس روپیہ ایڈوانس دیے دیتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر مسز ہوشنگ نے بٹوے سے دس دس کے دو نوٹ نکالے۔

اور لالی کی طرف انہیں بڑھا کر بولی "لو۔" مگر لالی نے اپنی چائے کی پیالی اٹھالی تھی اور اسے اطمینان سے پیتا رہا۔

"لو یہ ایڈوانس۔" مسز ہوشنگ بائی نے ذرا تنک کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ لالی بڑے اطمینان سے چائے پیتا رہا۔ بڑی نرمی سے بولا "ہوشنگ بائی گھر جاؤ۔"

مسز ہوشنگ بائی سکتے میں آگئی۔ بولی "کیا ہوا ہے تمہیں۔؟"

لالی نے پھر بڑی نرمی سے، پیار سے سنجیدہ لہجے میں بڑے نارمل انداز میں اس سے کہا۔ "گھر جاؤ ہوشنگ بائی۔ دیکھتی نہیں ہو میں اپنے گھر میں چائے پی رہا ہوں۔"

"ضرور تم پاگل ہو گئے ہو۔" وہ حیران ہو کر بولی۔

لالی چلا کر بولا "جاتی ہے کہ دوں ایک ہات۔؟"

مسز ہوشنگ نے رقم بٹوے میں ڈال لی۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ بٹوا زور سے بند کرتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے اب زندگی بھر تم سے بات نہیں کروں گی۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنے ہونٹ زور سے بھینچ لئے۔

لالی زور سے ہنسا "ارے ابات نہیں کرو گی۔؟ تب تو میں مر ہی

جاؤ گا اس غم سے۔"

"گڈ بائی۔" مسز ہوشنگ بائی نے اپنے غصّے کو بڑی مشکل سے دباتے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں کہنے کی کوشش کی۔ اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ لالی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کی پیٹھ کو نمسکار کیا۔ اور پھر جھگّے کو آواز دے کر کہنے لگا۔

"جھگّے۔ ابے او جھگّے۔"

جھگّا جو پیچھے اسٹوڈیو کی دیوار سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ فوراً بھاگتا آیا۔ اور اُس کے سامنے آکے کھڑا ہو گیا۔ لالی نے اُس سے پوچھا۔ "تو نے کہا تھا۔ تو بہت سا روپیہ حاصل کرنے کی ترکیب جانتا ہے۔"

"ہاں جانتا ہوں۔" جھگّا بولا۔

"کتنا روپیہ۔" لالی نے پوچھا۔

"جتنا تم نے زندگی میں نہ کمایا ہوگا۔"

"مگر کیسے۔؟"

"وہ میں۔" کہہ کر جھگّا رک گیا۔ پھر ایک مخصوص ڈھب کی نگاہ اُس پر ڈال کر بولا۔ "وہ میں بعد میں بتاؤں گا۔" اور ایسا اُس نے اس لئے بولا۔ کہ اُس نے ڈولاک روم سے چاچی ہنستی کو خالی کیتلی لاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے آرہی تھی۔ لالی کو جھگّے کے ساتھ گفتگو کرتے دیکھ کر اُس کی تیوریوں کے بل اور گہرے ہو گئے۔

"آتے ہی چائے چاہیئے۔ پھر ناشتہ۔ دوپہر کو کھانا۔ پھر صاحب

بھاوو کو صوفے پر لیٹ کر آرام ۔" اُس نے اتنا کہہ کر جلدی سے لالی کے ہاتھ سے چائے کا خالی کپ چھین کر کہا۔ "لاؤ ۔۔۔ ادھر ۔"

کھلی کھڑکی سے ایکا ایک کارنیوال کی آوازیں تیز ہونے لگیں۔ موسیقی کے شور میں مسز ہوشنگ بائی کے نئے آرگن کی دُھن سب سے نمایاں تھی۔ جیسے یہ آرگن اُس کا مذاق اُڑا رہا ہو۔ اس کی دُھن اُس کا منہ چڑا رہی تھی۔ لالی بے چین ہونے لگا۔ اس نے ایکا ایک چاچی ہنستی کو مخاطب ہو کر کہا۔

"سُنو چاچی ۔"

مگر چاچی اس وقت بھگّے سے ہمکلام تھیں ۔ "اور تم سُنو ۔ بھگّے چور ۔ ڈاکو ۔ بدمعاش ۔ ابھی ۔ اسی دم نکل جاؤ میرے گھر سے ۔ نہیں تو میں اپنے بیٹے چندن کو بلاتی ہوں ۔

بھگّے نے اپنے ابرو نچائے ۔ تضحیک آمیز انداز میں اپنے ہونٹ ٹیڑھے کئے اور بلغمی آواز میں بولا ۔ "میں خود ایسے بھٹیچر لوگوں کے گھر میں آنا پسند نہیں کرتا ۔" یہ کہہ کر وہ اسٹوڈیو سے باہر نکل گیا ۔ مگر باہر جا کر پھر کھڑکی کے باہر جُھک کر بیٹھ گیا ۔

لالی نے چونک کر ہنستی سے پوچھا ۔ "چاچی ہنستی ۔"

"ہاں ۔ کیا ہے ۔؟" وہ تنک کر بولی ۔

"جب چندن پیدا ہوا تھا ۔ میرا مطلب ہے ۔ جب تم نے چندن کو جنم دیا تھا ۔ وہ رُک گیا ۔

"ہاں تو پھر۔۔۔؟" چاچی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" لالی نے ارادہ بدل دیا۔

چاچی مسکرا دیں۔ "عجیب پاگل سا لڑکا ہے۔" اُس کے سر پہ ہات رکھ کر بولیں۔ "سو جاؤ۔ نکھٹو۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ سو جاؤ۔ شراب پیو۔ جوا کھیلو۔ اور دوسروں کی کمائی پہ زندہ رہو۔ اور اگر بیچ میں اگر وقت ملے تو اپنی بیوی کی پٹائی کر ڈالو۔ تم اسی لائق ہو بیٹا۔" یہ کہہ کر چاچی ہنستی چلی گئیں۔

جب وہ گلی میں غائب ہو گئیں۔

تو لالی نے آواز دے کر کہا۔

"جھکے۔"

کھڑکی کے باہر دبکا ہوا جھکا فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور کھڑکی کے چوکھٹے میں نمودار ہو کر اُس نے اپنے پیلے پیلے دانت نکوس دیئے۔ بولا۔ "ہاں مجھے معلوم ہے۔ شوبھا کے بچہ ہونے والا ہے۔ تم مجھے بتا چکے ہو نا۔"

لالی نے دونوں کہنیاں کھڑکی میں ٹکا دیں اور اس کے قریب ہو کر پوچھا۔

"وہ اسکیم (scheme)۔۔۔ بیدر فیکٹری کے نزدیک والی۔۔۔؟ اس میں کوئی دم ہے؟ مجھے بہت سا روپیہ چاہیئے۔"

جھکا بولا۔ "وہ اسکیم سب سے بڑھیا ہے۔ پر اس کے لئے دو آدمی چاہیئے۔ میں اکیلا کافی نہیں ہوں۔۔۔!"

لالی نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ٹھیک ہے تم جاؤ۔ اس وقت چلے جاؤ جھکے۔ پھر آنا۔"

جھگا کچھ دیر تک لالی کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر پلٹ کر کھڑکی سے غائب ہو گیا۔

اُس کے جانے کے چند لمحوں کے بعد لالی نے کھڑکی سے پلٹ کر خالی کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ پھر زور سے چلّا کر بولا۔ "چاچی۔ چاچی ہنستی۔ میری شوبھا کے بچّہ ہونے والا ہے۔

خالی کمرے کو مخاطب کر کے وہ واپس کھڑکی کی طرف گیا۔ صوفے پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کھڑکی سے دونوں ہاتھ باہر نکال کے اُنہیں پھیلا کر گویا ساری دُنیا کو فخر اور غرور سے مخاطب ہوتے بولا۔

"میرا بیٹا۔"

شوبھا دوڑی دوڑی باہر کمرے میں آئی گھبرا کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہے۔ کیا ہے۔؟"

لالی نے صوفے سے نیچے اُترتے ہوئے کہا "کچھ نہیں۔"

اتنا کہہ کر لالی اُس صوفے پر اوندھا ہو کر بڑے اطمینان سے لیٹ گیا۔ دونوں ٹانگیں پھیلا لیں۔ اور اپنا سر تکئے میں چھپا لیا۔ کیوں کہ وہ اپنی مسرّت کا اظہار کسی کے سامنے کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ عرصے تک شوبھا حیرت سے کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے وہ اُس کے صوفے کے قریب گئی۔ بڑے پیار سے اُس کی طرف دیکھا...... اپنے کندھوں پر لپٹی ہوئی شال اُتار کر لالی پر ڈال دی۔ اور پیار سے اُسے دیکھتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی......

سہ پہر میں جب شوبھا بازار سے سبزی بھاجی لے کر لوٹی اور رات کا کھانا تیار کرنے کے لئے رسوئی کی طرف جانے لگی۔ تو اُس نے جھگا کو لالی کے قریب صوفے پر بیٹھ کر سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہوئے پایا۔ وہ اس عادی مجرم کی دوستی کو لالی کے لئے۔ اپنے لئے۔ اور اپنے گھر کے لئے سخت ناپسند کرتی تھی۔ مگر لالی کی وجہ سے کچھ کھُل کر نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس نے گھورے شبہے کی نظروں سے ان دونوں کو سکوٹ کرتے ہوئے دیکھا۔ تو جھگا فوراً سنبھل کر صوفے پر بیٹھ گیا اور ذرا بلند لہجے میں بولا۔

"دھیان سے سُنو لالی۔ یہ گیت یوں چلتا ہے۔"

یہ کہہ کر جھگا اپنی کھلی کھلی آواز میں ایک نیم فحش گیت کا بند اُسے گا کے سُنانے لگا۔ پھر جب دوبارہ گا کے سُنانے لگا۔ تو لالی بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو آنکھ مار کر ذرا ہٹ ہٹ کر اس گیت کو گانا شروع کیا۔ مگر اُس سے بھی شوبھا کا شک کم نہ ہوا۔ وہ رسوئی کے دروازے سے لگی ایک تھالی میں چاول لئے انہیں صاف کرتی جاتی اور آنکھ بچا کر اُنہیں دیکھ لیتی۔ پھر رسوئی کے اندر کسی دوسرے کام سے جاتی۔ مگر جلدی ہی دروازے پر آجاتی۔ کیونکہ آج جھگو کی تیزی اور طراری اور آنکھوں کی غیر معمولی چمک نے اس کے دل کے سوئے ہوئے وسوسوں اور شبہوں کو بیدار کر دیا تھا اس لئے وہ بار بار کسی نہ کسی بہانے سے اسٹوڈیو کے بڑے کمرے میں آجاتی تھی۔ مگر رسوئی تیار کرنے کے لئے اندر چولہے کے قریب اُسے جانا ہی پڑتا تھا۔ ایسے ہی چند منٹوں میں جھگو نے لالی سے کہا۔

"اندھیری کی ریلوے کراسنگ پار کر کے اشوک سینما کی گلی سے ہو کر تم ریل کی پٹری پر آجاؤ گے۔ جو زمین سے اونچی اُٹھی ہوئی ہے اس سے لگی ایک پگڈنڈی لیدر فیکٹری تک جاتی ہے۔ دو فرلانگ تک کوئی گھر نہیں ہے۔ کوئی جھونپڑی نہیں ہے۔ راستہ بالکل سنسان ہے۔"

لالی نے آہستہ سے پوچھا "تو کیا وہ ہر روز اُسی راستہ سے جاتا ہے۔"

"ہاں۔ مگر پٹری کے کنارے کنارے نہیں۔ نیچے کی پگ ڈنڈی سے جاتا ہے۔ اس سے پہلے تو اُس کے ساتھ ہمیشہ کوئی آدمی ہوا کرتا تھا۔ مگر اب ایک سال سے وہ بالکل اکیلا جاتا آتا ہے۔

"ہر مہینے کی دس کو۔" لالی نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہر مہینے کی دس کو۔" جھگے نے دیوار پر ٹنگے کلینڈر کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "آج دس تاریخ تھی۔"

"اور روپیہ۔؟" لالی نے رُک کر پوچھا۔ "وہ روپیہ کدھر رکھتا ہے۔"

"ہاتھ میں۔" جھگے نے کہا۔ "ایک چمڑے کے تھیلے میں۔ اُس میں فیکٹری کے ہزاروں کی تنخواہ ہوتی ہے۔"

"کتنی۔"

"تیس ہزار۔"

"تیس ہزار۔؟ بڑی رقم ہے۔"

"چوکھی۔"

"نام کیا ہے اس کا۔؟"

"ہری داس۔"

"خزانچی۔"

"ہاں۔" جھگے کے ہونٹوں پر ایک بے رحم عیار مسکراہٹ آئی۔ "اور۔" پھر جب پیچھے سے اُس کے سر پر لوہے کا ڈنڈا زور سے گر کر اُس کی کھوپڑی کھول دے گا۔ تو وہ خزانچی نہیں رہے گا۔"

لالی کے دل میں جھگا کے لئے ایک عجیب کراہیت سی محسوس ہوئی۔ چند لمحے وہ اس احساس سے لڑتا رہا۔ آخر کامیاب ہوگیا۔ بے حد سنجیدہ لہجے

میں پوچھنے لگا۔ "کیا اس کی جان لینا ضروری ہے۔"

"ضروری تو نہیں ہے۔" جھنگے نے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ کیونکہ اُسے معلوم ہو گیا تھا۔ لالی کے لہجے سے کہ اُس نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے۔ اُسے ڈھکنے کے لئے اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "بالکل ضروری نہیں ہے۔ اُس کی جان لئے بغیر بھی ہم اُس کا تھیلا چھین سکتے ہیں۔ مگر یہ۔۔۔ حرامی لوگ۔" وہ رُک کر ذرا سا ہنسا۔ "ذرا عجیب قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں مر جانا ہی پسند ہے۔"

لالی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شوبھا کچن سے باہر نکل آئی۔ اور جھنگا فوراً لہجہ بدل کر بولا۔ "اور اس گیت کا دوسرا بند یوں ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر ہولے ہولے گانے لگا۔ لالی بھی شریک ہو گیا۔ جونہی شوبھا کچن کے اندر گئی۔ وہ پھر کھسر پھسر کرنے لگے۔ مگر اب کی بہت جلدی سے شوبھا باہر نکل آئی۔ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی جھاڑو لے کر اسٹوڈیو کے کونے کھدرے صاف کرنے لگی۔ وہ اس کوشش میں تھی۔ کہ کسی طرح سے یہ جان لے کہ یہ دونوں کیا باتیں کر رہے ہیں۔ مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اِدھر اُدھر سے ایک آدھ فقرہ یا جملہ جو اُس کے پلے پڑ جاتا تھا۔ اُس سے اُس کی پریشانی اور بڑھ جاتی تھی۔ مگر وہ پوری بات نہ سمجھ سکی۔ بس اُس کے دماغ نے سوچا۔ کہ وہ دونوں اُس سے چھپا کر کسی چالبازی میں مصروف ہیں۔ جھونے کے قریب آتے دیکھ کر لالی نے ڈانٹ دیا۔

"جھاڑو لگانے کے لئے کیا ہی وقت رہ گیا ہے۔ دیکھتی نہیں ہو میں مصروف ہوں۔" اتنا کہہ کر اُس نے شوبھا کے ہاتھ سے جھاڑو لے کر دُور پھینک دی۔ شوبھا آنکھوں میں آنسو بھر کر واپس کچن میں چلی گئی۔ تو لالی نے جلدی سے پوچھا۔ "اور پھر اُس کے بعد ہم آسام چلے جائیں گے۔ گوہاٹی۔۔۔؟"

"نہیں۔" چھنگّے نے قطعیت سے سر ہلایا۔

لالی نے چونک کر کہا۔ "مگر تم تو کہتے تھے۔"

چھنگّے نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "روپیہ کو چھ ماہ کے لئے کسی جگہ پر گاڑ دیں گے۔ اور چھ ماہ کے بعد اُسے نکال لیں گے۔"

"پھر۔۔۔؟"

"پھر اور چھ ماہ کے لئے ایسے ہی غریب بن کر رہیں گے۔ اُس رقم میں سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کریں گے۔"

لالی نے گھبرا کر کہا۔ "ارے چھنگّے۔ چھ مہینے میں تو میرا بچّہ پیدا ہو جائے گا۔ بچّے اور شوبھا دونوں کو اس کے بعد لے کے بھاگیں گے۔ چھ مہینے تک تم کوئی کام کر لینا۔ تاکہ لوگوں کو شبہ نہ ہو۔ کہ تم نے باہر جانے کے لئے روپیہ کہاں سے جمع کیا ہے۔۔۔؟"

"اور گوہاٹی میں کوئی ہم سے یہ پوچھتا کچھ نہیں کرے گا۔" لالی نے پوچھا۔

"آسام بمبئی سے بہت دُور ہے۔ وہاں کون پوچھنے کو جاتا ہے۔

کس کو معلوم ہوگا۔" پھر اُسے اطمینان دلاتے ہوئے بولا۔" بہت سے لوگ اُدھر ہی جاتے ہیں۔"

"ہوں۔" لالی سوچنے لگا۔ پھر سوچ سوچ کر بولا۔" تم ہم دونوں میں سے کون آگے بڑھکر اُس سے بات کرے گا۔؟"

"ہم دونوں میں سے ایک اپنی زبان سے بات کرے گا۔ دوسرا اپنے چاقو سے۔ جھنگے کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ پھر ایکا ایک اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ بڑے معصوم لہجے میں پوچھنے لگا۔" تم کو کیا پسند ہے۔؟"

لالی کو چپ دیکھ کر اُس نے کہا۔" ویسے میری مانو تو تم اُس سے بات کرو۔ میں۔"

ایکاایک لالی گھبرا کر بولا۔" یہ کیسی آواز تھی۔"

"کہاں۔" جھنگے نے پوچھا۔ اُسے لالی کا چہرہ فق نظر آیا۔

لالی نے کھڑکی کے باہر اشارہ کرتے ہوئے بڑی مشکل سے کہا۔" باہر جیسے کوئی کھُسر پُھسر کر رہا ہو۔"

دونوں غور سے سُننے لگے۔ مگر وہ تو لالی کے دل کی آواز تھی۔ کھڑکی کے باہر تو کوئی نہ تھا۔

پھر بھی جھنگا دبے پاؤں کھڑکی تک گیا۔ باہر جھانک کے جب اُس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا۔ تو پلٹ کر لالی سے کہنے لگا۔" کوئی بھی تو نہیں ہے۔"

لالی نے لمبا سانس لے کر کہا۔" ہاں شاید پارک کے پیڑوں میں

ہوا چلتی ہے۔" وہ صوفے سے اُٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

جھگّا اُس کے قریب جا کر بولا۔" بس تمہیں صرف اتنا کہنا ہوگا۔ بھیّا ذرا بتانا ٹائم کیا ہے۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔"

"بھیّا ذرا ٹائم بتانا۔" لالی پریکٹس کرتے ہوئے بولا۔ پھر رُک کر بولا۔ "اس کے بعد کیا ہوگا۔"

جھگّے نے کہا۔" اس کے بعد وہ سر جُھکا کے گھڑی سے اپنا ٹائم دیکھے گا۔ میں پیچھے سے اُس کے سر پر۔ اور تم سامنے سے اپنا چاقو نکال کر۔

جھگّا لالی کو خنجر مارنے کا طریقہ بتانے لگا۔ بتاتے بتاتے پیچھے ہٹنے لگا۔ تو پیچھے کسی آنے والے سے ٹکرا گیا۔ مڑ کر دیکھتا ہے۔ تو سامنے ایک پولیس مین کھڑا ہے۔ چند لمحوں کے لئے تو اُس کی سیٹی گم ہو گئی۔

"ہو۔" سنتری کچھ قدر خفا ہو کر کہہ رہا تھا۔ لالی اور جھگّا دونوں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مگر سنتری نے اپنے کپڑے جھاڑ کر بڑی خندہ پیشانی سے کہا۔" تم دونوں میں سے کون فوٹو گرافر ہے۔؟"

جھگّے کی جان میں جان آئی۔ اُس نے فوراً پینترا بدل کر زور سے آواز دی۔ " اے چاچی ہنستی۔ چندن۔ چاچی ہنستی۔ ایک گاہک آیا ہے۔" پھر پلٹ کر لالی سے بولا۔ اور اُس گیت کا تیسرا بند یوں شروع ہوتا ہے۔ اتنا کہہ کر اُس نے گیت کا پہلا ہی بند شروع کیا۔ لالی بھی اُس کا ساتھ دینے لگا۔

اتنے میں چاچی ہنستی کا لڑکا چندن ڈارک روم سے نکل کر اسٹوڈیو میں آگیا۔ اور سنتری کو دیکھ کر مؤدب ہو کر سلام کرنے لگا۔ سنتری نے اُس کے سلام کا جواب دے کر پوچھا۔

"کیبنیٹ سائز کا فوٹو بنانا ہے۔؟"

"جی ہاں۔" اُلجھے بالوں والا دبلا پتلا دراز قد چندن اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے بولا۔

"ادھر دیکھئے کوئی بیک گراؤنڈ آپ کو پسند ہے۔ آبشار والی یا پیڑ والی۔ اور کون پوز۔ دیوار پر لگی یہ تصویریں دیکھ کر چن لیجیے۔"

سنتری مُڑ کر دیوار پر لگی تصویریں غور سے دیکھنے لگا۔ آخر اُس نے ایک پوز پر اُنگلی رکھ دی۔ بولا۔ "مجھے یہ چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" چندن بولا۔ اور ایک اسٹول آگے سرکاتے ہوئے سنتری سے بولا "اس پر بیٹھ جایئے۔"

پولیس مین بیٹھ گیا۔ چندن ٹرالی پر رکھے رنگین پردے کو آگے پیچھے کرنے لگا۔ بیک گراؤنڈ کو فکس کر کے کیمرے کو آگے پیچھے کرنے لگا۔ بھاگ دوڑ کی انتہائی پھرتی سے اپنے گاہک کو خوش کرنے کے لیے اس کے چہرے کو دو تین بار اپنے ہاتھوں سے ادھر اُدھر کر کے کیمرے کے سامنے اُس کا پوز بنانے لگا۔ اتنے میں ڈارک روم سے چاچی ہنستی فوٹو پلیٹ لے کر نمودار ہوئیں۔ جب چندن اور چاچی ہنستی اپنے کام میں مصروف تھے۔ تو لالی اور چھگا سنتری کی طرف دیکھ کر ہولے ہولے باتوں میں مصروف

تھے۔

لالی نے آہستہ سے پوچھا "اسی علاقے کا ہے۔؟"

"نہیں۔" جھگا ہونٹ ہلائے بغیر بولا۔

"کمہار۔؟"

"نہیں۔"

"سانتھا کروز کا۔؟"

ایکا ایک جھگے کو یاد آگیا۔ بولا۔ "ورلے پارلے کا معلوم دیتا ہے۔"

لالی نے ایک دم برہم ہو کے منہ موڑ لیا۔ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ "یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ اس سے تو مر جانا بہتر ہے۔"

جھگا سرگوشی میں بولا۔ "گوہاٹی میں بہت آرام سے رہو گے۔"

لالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

چندن سنتری سے کہہ رہا تھا۔ "اب جناب۔ ادھر دیکھئے۔ یہاں۔ کیمرے کے لینس کے قریب۔ ہلو مت مہربان۔" پولیس مین ایکا ایک اٹن شن ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے کیمرہ کا ڈھکن اتار کے اس نے پھر اُسے لینس پر رکھ کے ایک شگفتہ مسکراہٹ سے پولیس مین کی طرف دیکھ کے کہا۔ "تھینک یو۔"

تھینک یو سنتے ہی پولیس مین اپنے قدرتی پوز میں آگیا۔ پوچھنے لگا۔

"فوٹو کب ملے گا۔؟"

"بس یہی پانچ سات منٹ میں۔" چاچی ہنستی بولیں۔
"تو میں ایک آدھ راؤنڈ لگا کے آتا ہوں۔" سنتری نے جواب دیا۔ اور جیب سے بٹوا نکال کر بولا۔ "کچھ ایڈوانس دے دوں۔؟"
چندن مکھن لگاتے ہوئے آگے بڑھ کر بولا۔ "نہیں انسپکٹر صاحب آپ سے کیا ایڈوانس لینا۔ تصویر کے بعد ادا کر دینا۔"
معمولی سنتری کو اُس نے انسپکٹر کہا تھا۔ اس سے وہ پولیس مین بے حد خوش ہوا۔ بٹوا واپس جیب میں ڈال باہر چلا گیا۔
چندن نے کیمرہ اپنی پرانی جگہ پر رکھ دیا۔ اور چاچی ہنستی نے ٹرالی کھینچ کر رنگین پردے کو اُس کی جگہ پر لٹکا دیا۔ پھر جھگّے کی طرف غصّے سے دیکھتی ہوئی بولی۔
"سارا دن ادھر پڑے پڑے میرے گراہکوں کو گھورتے ہوئے باہر کی ہوا کیوں نہیں کھاتے۔ کہاں سے اتنا پیسہ مل گیا ہے کہ خوشی کے گیت گائے جانے لگے ہیں۔؟" پھر بالکل اُس کے سامنے جا کر بولی۔
"میں پوچھتی ہوں۔ پولیس کو دیکھ کر دم نہیں نکل گیا تھا۔"
جھگّا بڑی حقارت سے بولا۔ "جاؤ۔ جاؤ۔ فوٹو تیار کرو۔ تمہارا گراہک آتا ہوگا۔"
جونہی چاچی ہنستی بڑبڑاتی ہوئی ڈارک روم کے اندر گئیں۔ جھگّے نے لپک کر لالی سے کہا "اب بھاگ کے کچن میں چلے جاؤ۔"
"دیکھوں۔"

"چھری لے آؤ۔ سبزی کاٹنے والی۔"

"کاہے کے لئے۔۔؟"

"میرا چاقو بہت چھوٹا ہے۔ اگر وہ کہیں سچ مچ لڑنے لگا۔ تو چھری اس کی پسلیوں میں گھونپ دیں گے۔"

لالی بولا۔ "اُس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا ایک ہی گھونسا اُسے بے ہوش کر دینے کے لئے کافی ہے۔"

"نہیں" چھگے نے اُسے سمجھایا۔ "تمہارے پاس کوئی ہتھیار ضرور ہونا چاہیئے۔ سر پہ ڈنڈا مارنے سے اُس کی گردن الگ نہیں ہوگی۔"

"مگر اُس کی گردن الگ کرنے سے ہمیں کیا ملے گا۔" لالی نے احتجاج کیا۔

"کچھ نہیں۔ پر اگر اُس نے شور مچانا چاہا۔ ؟ ۔ وہ کافی تگڑا ہے۔ میری طرح دُبلا پتلا نہیں ہے۔"

پھر لالی کے چہرے پر انکار کے رنگ دیکھ کر کہنے لگا۔ "اُن سولہ ہزار روپیوں سے تم گوہاٹی میں اپنی بیوی اور بچّے کے ساتھ ایک شاندار زندگی شروع کر سکتے ہو۔ مگر بزدلی دکھانے سے کچھ نہیں ملے گا۔"

لالی نے آنا کانی کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے کچن سے وہ چھری اُٹھائی تو شوبھا دیکھ لے گی۔"

"ایسے اُٹھاؤ کہ وہ نہ دیکھ سکے۔" جھگا لالی کو کچن کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔

لالی نے کچن کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا۔ کہ وہ پولیس مین پھر اندر آ گیا۔ لالی رُک گیا۔ پلٹ کر مضطرب انداز سے چلتا ہوا ڈارک روم کے دروازے کے باہر پہنچ کر رُک گیا۔ آواز دیتے ہوئے بولا۔ "چندن سنتری آیا ہے۔"

چاچی ہنستی نے دروازے پر آ کر۔ "بس ایک منٹ سنتری جی۔ بس ایک منٹ۔"

چاچی ہنستی اتنا کہہ کر ڈارک روم میں چلی گئیں۔ لالی چند لمحے ہچکچاتا ہوا وہیں کھڑا رہا۔ جھگّے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ کیوں کہ اُسے معلوم تھا۔ کہ جھگّا اُسے کن نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ ان نگاہوں کی تاب نہ لا کر جلدی سے کچن میں گھس گیا۔

پولیس مین اسٹول پہ بیٹھ کر فوٹو کا انتظار کرنے لگا۔ اور جھگّے کو گھورنے لگا۔ جھگّے نے پلٹ کر پولیس مین کو بڑی ڈھٹائی سے گھورا۔ اور سوال کیا۔

"تم نادتی ہسپتال کا ناکہ ہو؟"

سنتری ایک دم چونک گیا۔ سر ہلا کر بولا۔ "ہاں۔ مگر تمہیں کیسے معلوم ہے۔ میں اُدھر ڈیوٹی دیتا ہوں۔"

"میں بھی اُدھر اپنا دھندا کرتا تھا۔" جھگّا بڑی دل داری سے بولا۔

"کیا دھندا۔؟" سنتری نے پوچھا۔

"پرانی ہڈیاں جمع کرنے کا۔" جھگّا تضحیک آمیز مسکراہٹ سے

سنتری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

جواب سُن کر سنتری کو بے حد غصّہ آیا۔ وہ اپنی مونچھوں کو تاؤ دے کر کچھ کہنے والا تھا۔ کہ اتنے میں چندن ڈارک روم سے نکل آیا۔ فوٹو اُس کے ہاتھ میں تھا۔ سنتری نے اُس کے ہات سے فوٹو لے لیا۔ اور اپنی صورت دیکھنے لگا۔ اُسے اپنی صورت بے حد پسند آئی۔

سر ہلا کر بولا۔ "اچھا ہے .... بہت اچھا ہے۔" پھر اُس نے بٹوے سے پیسے نکال کر چندن کو دیئے۔ اور فوٹو کا لفافہ جیب میں رکھ کر جھگّے کو مشتبہ نگاہوں سے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس دوران میں جھگّے نے یوں ظاہر کیا۔ جیسے وہ اُسے دیکھ ہی نہیں رہا ہے۔ مگر پولیس مین کے جانے کے بعد فوراً ہی وہ بھی سٹوڈیو سے باہر نکلا اور باہر سڑک پر جاکر پولیس مین کی پیٹھ دیکھتا رہا۔ جب پولیس مین ماہم ناکے کی طرف غائب ہوگیا ---- تو واپس اسٹوڈیو میں آیا۔

جب وہ اندر آیا۔ اُس وقت لالی کچن سے برآمد ہوا۔ اُس کا ایک ہات پتلون کی جیب میں تھا۔ دوسرے سے وہ اپنی قمیص کے اُوپر کی جھری ٹھیک کرتا ہوا صوفے کے پیچھے جا کے کھڑکی میں کھڑا ہوگیا۔ دیر تک کھڑکی میں کھڑا اشلا میں گھورتا رہا۔

آہستہ سے جھگّا اُس کے پاس گیا۔ اور بڑی نرمی سے بولا۔ "کیا دیکھ رہے ہو اتنی دُور ---- ؟"

"کچھ نہیں۔" لالی نے اُداسی سے کہا۔

"کچھ تو دیکھ رہے ہو۔"

"کچھ سوچ رہا ہوں۔"

جھگّے نے آج تک لالی کو اتنا اُداس ملول نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے اُس کا موڈ بدلنے کے لئے لالی سے پوچھا۔

"اچھا مجھے بتاؤ۔ اُس سے کیا کہو گے۔"

لالی بولا۔ "میں کہوں گا۔" (نقل کرتے ہوئے) "بھیّا ذرا ٹائم تو بتانا۔ اور اگر اُس نے مجھے ٹائم بتا دیا۔ تو پھر مجھے کیا کہنا چاہیئے۔"

جھگّا بڑے بے رحم لہجے میں ہنس کر بولا۔ "تمہارے پوچھنے کے بعد۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکے گا۔"

لالی نے چونک کر جھگّا کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی آنکھیں پھیر لیں۔

جھگّے نے پوچھا۔

"لے آئے۔"

"ہاں۔" لالی نے غیر جذباتی آواز میں کہا۔ مگر اُس کی آواز ذرا سی کانپ گئی۔

"کہاں رکھی ہے۔؟"

"جرسی کے اندر۔ قمیض اور بنیان کے بیچ ——"

جھگّے نے ہات بڑھا کر لالی جرسی کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس کا ہات کمر سے لے کر اوپر سینے تک چلا گیا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "کافی بڑی ہے۔ اس کا پھل بھی کافی لمبا ہے۔" پھر اُس نے جرسی کے اندر چھری کو

محسوس کرتے ہوئے اس کے تلوے نے کو سنے پر اپنی انگلیاں پھیر کر کہا۔" ہوں... یہ رہی اُس کی نوک۔"

اتنے میں شوبھا کچن سے باہر آگئی۔

اس کے قدموں کی چاپ سنتے ہی جھگّے نے اپنے ہات لالی کے سینے سے ہٹا لئے۔ اور لاا اُبالی انداز میں لہجہ بدل کر مسکرا کے کہنے لگا۔

"نہیں۔ تم نے ٹھیک سے نہیں سیکھا۔ وہی بند پھر گاؤ۔"

لالی نے کنکھیوں سے شوبھا کو دیکھ کر اُسی نیم فحش گیت کا ایک بند گانا شروع کیا۔ اُسے سنتے ہی شوبھا منہ بنا کر واپس کچن میں چلی گئی۔

اُس کے جاتے ہی لالی جھگّے سے پوچھنے لگا۔

"رات کو اُس کے بھوت نے کہیں مجھے ستایا تو کیا ہوگا۔؟"

جھگّے نے مشفقانہ انداز میں اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

"میں تمہیں جوگی بابا سے منتر لے کے دوں گا۔ جوگی بابا کے منتر سے کوئی بڑے سے بڑا بھوت بھی نہیں ستاتا۔"

"پھر آگے چل کر کیا ہوگا۔ لالی اب اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا۔ مگر اُس کا سوال سن کر جھگّا نے پوچھا۔" آگے چل کر کہا۔؟"

لالی نے عجیب نظروں سے جھگّے کی طرف دیکھ کر کہا۔" وہاں۔ اوپر۔ بھگوان کے سامنے میں کیا جواب دوں گا۔"

جھگّے کے کندھے ذرا سے ہلے۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔" ہمارے ایسے لوگ اُس کے سامنے پیش نہیں کیئے جاتے۔"

"کیوں نہیں ہے؟"

جھگڑو نے اُس سے پوچھا۔ "کیا تم کبھی ہائی کورٹ میں پیش کئے گئے ہو۔"

"نہیں ہے۔" لالی نے اقبال کیا۔ "ہمیشہ تھانے میں ـــــ اور مجسٹریٹ ...."

جھگڑو نے کہا۔ "بس اسی سے سمجھ لو۔ کہ وہاں بھی ہمارے ایسے لوگوں کے لئے تھانہ ہوتا ہے۔ اور مجسٹریٹ جیسے یہاں ہوتا ہے۔"

"بس۔ ؟" لالی نے پوچھا۔ "پولیس اور مجسٹریٹ ـــ ؟"

"اور کیا ـــ ؟" جھگڑو بڑے تلخ لہجے میں آہستہ سے کہنے لگا۔ "بڑے لوگوں کے لئے وہاں بھی بڑی عدالت ہوتی ہے۔ ہم غریبوں کے لئے وہاں بھی پولیس ہوگی اور مجسٹریٹ ہوگا۔ بڑے لوگوں کے لئے فرشتے آتے ہیں۔ ہمارے لئے۔"

"ہمارے لئے ـــ" لالی نے پوچھا۔

"ہمارے لئے میرے دوست صرف انصاف۔ انصاف بہت کیا جائے گا۔ ہم سے وہاں بھی۔ اور جہاں انصاف ہوتا ہے۔ وہاں پولیس ہوتی ہے۔ اور جہاں پولیس ہوتی ہے۔ وہاں مجسٹریٹ ہوتا ہے۔ اور جہاں مجسٹریٹ ہوتا ہے۔ وہاں ہم جیسے لوگوں کے لئے۔ صرف انصاف ہوتا ہے۔"

لالی نے یہ سن کر ایک عجیب قنوطی انداز میں اپنے ہونٹ ٹیڑھے

گئے۔ اور اپنے پارٹ کی نقل کرتے ہوئے بولا۔ "رام رام بھیا۔ ذرا بتا تا تو نام کیا ہے ---؟"

پھر اُس نے ایک دم اپنے سینے پر ہات رکھا۔ جھگّے نے پوچھا۔
"یہاں ہات کیوں رکھتے ہو۔"

لالی آہستہ سے بولا۔ "چھُری کے نیچے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔"

جھگّے نے کہا۔ "تو چھُری دوسری طرف رکھ لو۔" پھر کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اب ہمیں چل دینا چاہیئے۔"

"اتنی جلدی ---؟"

"آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے چلیں گے۔"

لالی چند لمحے چپ کھڑا رہا۔ اُس کے جی میں آیا۔ کہ واپس کچن میں جا کر ایک نظر شوبھا کو دیکھ لے۔ پھر اُس نے یہی بہتر سمجھا کہ شوبھا سے نہ ملا جائے۔ اس نے سر ہلا کر جھگّے کو چلنے کا اشارہ کیا۔

دونوں جب اسٹوڈیو سے باہر آئے۔ تو شوبھا جھپٹ کر سامنے آ کے راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ بولی۔ "تم اس کے ساتھ کہاں جا رہے ہو ---؟"

جواب میں لالی نے پوچھا۔ "کہاں جا رہا ہوں۔"
شوبھا بولی۔ "کہیں مت جاؤ اس کے ساتھ۔ گھر میں رہو۔"

"نہیں۔"

"گھر میں رہو۔" شوبھا بات بتاتے ہوئے بولی۔ "دیکھو بادل گھر کے آ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں بارش ہونے لگے گی۔ تم بھیگ جاؤ گے۔"

"بارش نہیں ہوگی۔" جھنگے نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہے۔" شوبھا اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ پہلے سے پتہ چل جاتا ہے۔" جھنگا اپنے پیلے پیلے دانت نکال کر بولا۔

لالی نے ایک قدم آگے بڑھا دیا۔

شوبھا پھر اُس کے راستے میں آ گئی۔ پتہ نہیں اُس کا گلا کیوں سوکھ رہا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔

"مت جاؤ۔ گھر میں رہو۔ آج بستا بڑھئی آ رہا ہے۔ اُس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ وہ تمہیں اپنی ورکشاپ میں کام دے گا۔"

"مجھے بڑھئی کا کام پسند نہیں ہے۔"

"گھر میں رہو۔" شوبھا بے حد مضطرب لہجے میں بولی۔ بار بار اپنی چھوٹی سی زبان نکال کر ہونٹوں پر پھیر لیتی تھی۔ "آج تو رسنا بھی آنے والی ہے۔ اپنے منگیتر کے ساتھ۔ اُس کا منگیتر تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"وہ کسی دوسرے روز مجھ سے مل سکتا ہے۔"

"رسنا میرے لئے کچھ روپے لا رہی ہے۔ وہ میں سب تمہیں دے دوں گی۔ پر آج کہیں مت جاؤ۔"

"میں ذرا گھومنے جا رہا ہوں شوبھا۔ تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔ مگر لالی اُس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔

شوبھا کی نگاہیں۔ اُس کے مغرور چہرے پہ جم گئیں۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ مگر اُس نے اُن آنسوؤں کو پی کر مسکرانے کی کوشش کی۔ بولی۔ "اگر تم رُک جاؤ گے۔ تو میں تمہارے لئے ٹھرّے کی پوری بوتل لاؤں گی۔ یا بیئر کی۔ جو تمہیں پسند ہو۔"

جبکہ اُس وقت جان بوجھ کر چند قدم پرے چلا گیا تھا۔ وہاں سے پلٹ کر بولا۔ "لالی تم آ رہے ہو۔؟"

شوبھا لالی کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "تم نے مجھے مارا تھا نا۔ پر اب میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ سوگند کھاتی ہوں۔"

لالی نے کھٹکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پرے ہٹ جاؤ۔" اُس کی آواز میں غم و غصہ۔ مجبوری۔ بے بسی۔ دکھ۔ احتجاج سبھی کچھ موجود تھا۔ اُس نے شوبھا کو ڈرانے کے لئے مکّا دکھایا۔ حالانکہ اندر سے اُس کا دل پگھل رہا تھا۔ اور اُس کی آواز کانپنے لگی تھی۔ مگر وہ اپنی اس حالت پر جبر کر کے مصنوعی دھمکی دیتے ہوئے بولا۔ "پرے ہٹ جاؤ۔ میرا راستہ چھوڑ دو۔ ورنہ مار بیٹھوں گا۔"

شوبھا نے ایکاایک پوچھا۔ "یہ تمہاری جرسی کے اندر کیا ہے۔"

لالی نے اندر سے تاش نکال کر دکھائی۔

شوبھا کی آواز کانپنے لگی۔ بولی۔ "ادھر نہیں۔ اُدھر۔" اُس

نے لالی کے بائیں طرف سینے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"ادھر کیا رکھا ہے۔"

اب لالی کو واقعی غصّہ آنے لگا۔ گرج کر بولا۔ "مجھے جانے دو۔" مگر شوبھا نے پھر راستہ روک لیا۔ وہ آگے بڑھتا آتا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اُس کا راستہ روکتی جاتی تھی اور جلدی جلدی آخری کوشش کرتے ہوئے آنسوؤں بھرے لہجے میں کہتی جاتی تھی۔

"شوبھا۔ رسنا نے ہم دونوں کے لئے ایک نوکری ڈھونڈلی ہے۔ پیڈر روڈ پر ایک بہت بڑے فلیٹ کے لوگ ولایت جا رہے ہیں۔ دس مہینوں کے لئے جا رہے ہیں۔ دس مہینوں کے لئے اُنہیں ایک کیر ٹیکر (Care:teker) جوڑے کی ضرورت ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت جو اُن کے پیچھے اُس فلیٹ کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اُسے صاف ستھرا رکھ سکیں۔ اُس کے لئے وہ ہر مہینہ ۱۰۰ سو روپیہ پگار نہیں دیں گے۔ ۱۰۰ سو روپیہ مجھے۔ ہم دونوں کو دو ۲۰۰ سو روپیہ پگار ملے گی۔ کام کچھ نہیں۔ لالی میری بات سنو۔"

لالی نے غصّے سے چلّا کر کہا۔ "میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" زور سے جھٹکا دے کر لالی نے اپنا دامن چھڑا لیا۔ اور جھٹکے سے جی ملا دونوں تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گئے۔ شوبھا وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی۔ جب دونوں چلے گئے۔ اُس وقت بھی وہ وہیں

کھڑی تھی۔ جیسے اُس کے قدم وہیں کے وہیں جم گئے ہوں۔ اتنے میں چاچی ہنستی کچن سے نکل کر آئی اور شوبھا سے کہنے لگی۔

"سبزی کاٹنے کی چھُری نہیں ملتی۔ تم نے دیکھی ہے ۔؟"

شوبھا وحشت ناک انداز میں چونک گئی۔ اُس کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ سر ہلا کے بولی۔" میں نے تو نہیں لی ۔"

چاچی حیرت سے سر ہلا کے بولی۔" ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ میں نے کچن میں دیکھی تھی۔ جانے کہاں گئی ۔؟" پھر رُک کر شوبھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔" تھوڑی دیر ہوئی میں نے لالی کو کچن میں گھستے ہوئے دیکھا تھا ۔"

"اُس نے نہیں لی ۔" شوبھا نے زور سے انکار کیا۔

" اور کوئی کچن میں گیا بھی نہیں ۔" چاچی ہنستی نے اُسے یاد دلایا۔

" مگر لالی چھُری لے کر کیا کرے گا ۔" شوبھا نے پوچھا۔

" میں کیا جانوں ۔"

چاچی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

شوبھا کو جھوٹ بولنا پڑا۔ بولی ۔" جانے سے پہلے میں نے اُس کی جیب دیکھی تھی۔ اُس میں چھُری تھی نہ پیسہ۔ بس تاش کے پتے تھے۔"

چاچی بھڑک کر بولی۔" تاش۔ تاش۔ ہر وقت تاش ۔ وہ کم بخت جھنگا اُسے کہیں جوا کھلانے لے گیا ہو گا ۔"

چاچی اندر چلی گئی۔ شوبھا وہیں کھڑی رہی۔ کیونکہ سامنے سے

اب اُسے رسنا اور اُس کا منگیتر آتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ دونوں نے نئے کپڑے پہن رکھے تھے اور دونوں ہات میں ہات لے کر خوش اور مگن چلے آرہے تھے۔ کہ ایکا ایک شوبھا کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر دونوں نے آہستہ سے اپنے ہات الگ کر لئے۔

رسنا نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہم آگئے شوبھا" پھر اپنے منگیتر کو ہات سے پکڑ کر اُسے آگے لاتے ہوئے بولی۔ "یہ ہے" میرا منگیتر تعارف کراتے ہوئے شرمائی۔

منگیتر نے آگے بڑھ کے اپنا تعارف کرایا۔ "میں ولیم ہوں — ولیم —"

"ہیلو۔" شوبھا نے ہات کو ملایا۔ مگر بالکل غائب تھی۔ اُسے یوں غائب دیکھ کر ولیم دوبارہ بولا۔ "میرا پورا نام ولیم کبرال ہے۔"

اُس نے شوبھا کا ہات نہیں چھوڑا۔ شوبھا نے بغیر کسی جذبے کے یکبارگی انداز میں کہا۔ "میں شوبھا ہوں۔"

مگر اُس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں آئی۔ ولیم اُس کا ہات ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہیلو۔"

"ہیلو۔" شوبھا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

رسنا بولی۔ "یہ میرا منگیتر ہے۔"

"اچھا۔؟" شوبھا نے جواب دیا۔ اور رسنا کی طرف دیکھ کر سر ہلا دیا۔

"ہاں میں اس کا منگیتر ہوں۔" ولیم نے دہرایا۔

"اچھا۔" شوبھا نے کہا اور اب ولیم کی طرف دیکھ کر سر ہلا دیا۔

اب خاموشی کا ایک لمبا بے ہنگم سا وقفہ آیا۔ جس میں کسی کے پاس کچھ کہنے کو نہیں تھا۔

پھر رسنا خود ہی بول پڑی۔ "آؤ اندر چلیں۔"

ایکا ایک شوبھا نے چونک کر کہا۔ "ہاں۔ آؤ اندر چلیں۔"

اسٹوڈیو میں داخل ہو کر ولیم نے چاروں طرف دیکھا۔ رسنا نے بھی چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ پھر اُس کی نگاہیں کھڑکی والے خالی صوفے پر جم گئیں۔ اُس نے شوبھا سے پوچھا۔

"لالی کہاں ہے۔؟"

"گھومنے گیا ہے۔"

"گھومنے۔؟" رسنا کی آواز میں مایوسی تھی۔ کیونکہ اُس نے شوبھا سے کہہ رکھا تھا۔ کہ وہ ولیم کو لالی سے ملانا چاہتی ہے۔ مگر اُس کی مایوسی کا شوبھا نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

رسنا پھر بولی۔ "گھومنے گیا ہے۔؟"

"ہاں۔" شوبھا نے کہا۔

"اوہ۔" اب ولیم مایوسی سے بول اُٹھا۔

ایکا ایک رسنا کو کچھ یاد آیا۔ اور وہ یاد آتے ہی اُس کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ شیخی بھرے لہجے میں شوبھا سے کہنے لگی۔ "ولیم کو نئی نوکری مل

گئی ہے۔ پہلی تاریخ سے اب وہ ایک کلب میں کام کرے گا۔ آفیسر کا جاب (JOB) ہے۔"

مگر جب ولیم نے دیکھا کہ اس خبر کا بھی شوبھا پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ تو وہ کسی قدر عاجزی سے بولا۔ "بات یہ ہے شوبھا کہ رسنا کو ٹھیک طرح سے بتانا نہیں آتا۔ میں اُدھر ہیڈ بیرا کا کام کروں گا۔ مانٹفورڈ کلب میں۔ کام اچھا ہے۔ اور رات کو دس پندرہ روپے کا ٹپ ہو جاتا ہے۔

"اچھا۔ ؟" شوبھا بولی۔

"پگار بھی اچھا ہے۔" ولیم نے مزید تشریح کرتے ہوئے کہا۔ "پھر اصلی آمدنی ٹپ میں ہے۔ وہ لوگ جب تاش میں جیت جاتے ہیں۔ تو کبھی کبھی رات میں تیس چالیس روپیہ کا بھی ٹپ ہو جاتا ہے۔

"اچھا۔" شوبھا نے پھر پوچھا۔ یا کہا۔ یا جواب دیا۔ وہ خود کچھ نہیں جانتی تھی۔ کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ کس سے کہہ رہی ہے۔ کیوں کہہ رہی ہے۔ ذہن۔ آسمان۔ وقت۔ جگہ۔ شخصیتیں۔ سب ایک سیلاب میں بہی جا رہی تھیں۔ کوئی شے یقینی نہیں تھی۔ ہر طرف ایک گدلا سا سنّاٹا تھا۔ جس میں ہر شے بہی جا رہی تھی۔ اور کوئی پروٹسٹ نہیں کرتا۔ کوئی روتا نہیں۔ کوئی چیختا نہیں۔ جیسے یوں بہتے چلے جانا موت کے آخری دروازے تک گدلی۔ مٹیالی خوفناک منزل تک ہی ہر ایک کا تصور ہو۔ جسے ہر کسی نے خوشی سے منظور کر لیا ہے۔ اس گہرے مجبور دالے سنّاٹے

میں کوئی بولتا نہیں۔ سب لہروں پر چپ چاپ بہتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

ایکا ایک رسنا نے پر شوق لہجے میں جاننا چاہا۔

"میرا امنگینز کیسا ہے۔"

"اچھا۔" شوبھا بولی۔

"ہم لوگوں نے دو کمروں کا ایک فلیٹ بوری ولی میں کرائے پر لیا ہے۔"

"ہاں۔" رسنا بولی۔ "اور دو تین سال میں جب ہم روپیسے جمع کر لیں گے۔ تو باہر گام میں زمین لے لیں گے۔ وہاں اپنا گھر بنانے کا وچار ہے۔ بامبے بہت بڑا شہر ہے۔ پر جب ہم لوک کے بچے لوک ہو جائے گا۔ تو۔ باہر گام رہنا ہی ٹھیک رہے گا۔"

"اچھا۔" شوبھا بولی۔

رسنا بولی "تم نے مجھے وش نہیں کیا شوبھا۔"

"اوہ۔ میں بھول گئی۔" شوبھا نے دو تین بار اپنی پلکوں کو آنکھوں پر گرا کر انہیں زور زور سے جھلا کر آنکھیں اچھی طرح کھول دیں۔ پھر چہرے پر ایک مسکراہٹ لا کر ولیم سے ہات ملا کر بولی۔ "گڈ لک۔" پھر خوشی سے شاداب و فرحاں رسنا کی طرف جو دیکھا تو جانے کیوں اُس کا جی بھر آیا۔ وہ رسنا کے گلے سے لپٹ گئی۔ اور۔ گڈ لک رسنا۔ کہہ کر رونے لگی۔

ولیم نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہ رو کیوں رہی ہے۔"

رسنا بولی۔" یہ بے دردی ہے۔ کیونکہ یہ دل کی بہت اچھی ہے۔"
ولیم کا دل بھی، شوبھا کو روتے دیکھ کر بھر آیا۔" تھینک یو" تھینک یو
کہہ کر اُس نے بھی رومال اپنی جیب سے نکالا۔ اور اپنے آنسو پونچھنے
لگا۔ اتنے میں چندن اور چاچی ہنستی دونوں ڈارک روم سے برآمد ہوئے۔
شوبھا نے ولیم کا تعارف کرایا۔ اور یہ بھی بتایا۔ کہ یہ لوگ فوٹو کھچوانا چاہتے
ہیں۔ چندن نے کھڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔" ابھی فوٹو کھینچ لیں گے۔ ورنہ
پھر اندھیرا ہو جائے گا۔"

چندن نے رسنا اور ولیم کو پوز دینے کے لئے اپنے پاس بُلا لیا پھر
وہ کیمرہ ٹھیک کرنے لگا۔ شوبھا کو اس پورے منظر میں کوئی دلچسپی نہیں
تھی۔ وہ کھڑکی میں چلی گئی۔ اور آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ آسمان گدلا ہے۔
جیسے سیلاب ابھی ابھی اس پر سے گزر گیا ہو۔ آسمان میں چاروں طرف
گدلے بھورے کیچڑ کی ایک پتلی تہ جم گئی ہے۔ اور اُس پر لالی
اور جھگّا دور تک پھیلتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اور دُور افق تک وہ ان کے
قدموں کے نشان دیکھ سکتی ہے۔ پہلے وہ پورے قد کے تھے۔ پھر
بونے سے نظر آنے لگے۔ پھر گڈّے سے۔ پھر نقطے سے۔ آخر میں
وہ نقطے سے بھی مدھم ہو گئے۔ صرف قدم رہ گئے۔ پھر سیلاب کا ریلا آیا۔ اور اُن
قدموں کو بھی بہا لے گیا۔ شوبھا نے کھڑکی کے چوکھٹے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ اور آنکھیں
بند کر لیں۔ آنسو سیلاب کی صورت میں اُس کی بند آنکھوں سے بہہ کر اُس کے
رخساروں پر بہنے لگے۔ اُس کا جی چاہا ۔۔۔۔۔ وہ مر جائے ۔۔۔۔

شوبھا نے چندن سے پوچھا۔

"بھیّا بتانا ذرا ٹائم کیا ہے۔؟"

چندن نے کہا۔" پونے چھ بجے ہیں۔"

پونے چھ ہو گئے۔ اندھیری اسٹیشن پر اُتر کر جھنگے نے سب سے پہلے لوکل ٹائم پر نظر ڈالی۔ "اب جلدی سے چل دینا چاہیئے۔"

ریلوے کا پل کراس کر کے گیٹ سے باہر نکل کے گھاس کے گٹھوں اور آم بیچنے والوں اور ریڈی میڈ کپڑے بیچنے والوں کے اژدہام سے گزرتے ہوئے۔ اشوک سنیما کی سڑک سے گزر کر انڈر برج سے آگے جا کے ریلوے لائن کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ یہاں پر ریل کی پٹڑی کا پشتہ اونچا تھا۔ اور نیچے نیچے ایک پگڈنڈی لیدر فیکٹری کو جاتی تھی۔ جسے لیدر فیکٹری کے مزدور شارٹ کٹ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

چلتے چلتے وہ دونوں ایک سنسان جگہ پہ پہنچے۔ یہاں پر پگ ڈنڈی بہت نیچے تھی۔ اور ریل کی پٹڑی تک جانے کے لئے پگ ڈنڈی سے پشتے تک لکڑی کا ایک زینہ لگا ہوا تھا۔ اوپر جہاں پر زینہ ختم ہوتا تھا۔ وہاں سگنل کا کھمبا تھا۔ اور دائیں بائیں فاصلے پر بجلی کے کھمبے۔ پشتے سے پرے پگ ڈنڈی سے کچھ فاصلے پر نشیبی جوہڑ تھے۔ جن میں پانی بھرا تھا۔ اور اُن سے پرے پیڑوں کی ایک لمبی قطار۔ اور اُن میں چھپے ہوئے مکانوں کی چھتیں کہیں کہیں گھنے پتوں اور ڈالیوں کے بیچ نظر آ جاتی تھیں۔

جب جھگا اور لالی آؤٹر سگنل کے اُس کھمبے تک چلتے چلتے پہنچے۔ تو جھگا نے لکڑی کے اس زینے کو دیکھ کر اپنے قدم روک لئے۔ اُس نے لالی سے کہا۔

”آؤ اس زینے سے نیچے پگ ڈنڈی پر اُتر جائیں۔“

مگر لالی ابھی تک اُس گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو ابھی ابھی اِدھر سے گزری تھی۔ اس کے کانوں میں ابھی تک فرنٹیر میل کے پُرجوش دھاڑتے ہوئے انجن کی گرج تھی۔ اُس نے جھگے کی بات کو اَن سنا کر کے کہا۔ ”اگر تم اس وقت کان ریل کی پٹڑی سے لگا دو۔ تو تم اس گاڑی کی دھمک کو دُور تک سن سکتے ہو۔“

جھگے نے لاپرواہی سے کہا۔ ”ہاں مجھے معلوم ہے۔“

مگر لالی کی آنکھوں میں ابھی تک وہی کہیں دور جانے والی نگاہ تھی۔

اُس نے بڑے حسرت ناک انداز میں غائب ہوتی ہوئی ریل گاڑی کی طرف دیکھ کر کہا "تمہیں معلوم ہے یہ گاڑی جو ابھی گزری ہے کہاں تک جاتی ہے ۔ ؟"

"کہاں تک ۔ ؟" جھگّے نے جواب نک بمبئی سے باہر نہیں گیا تھا یہیں پیدا ہوا۔ یہیں پلا۔ بڑھا۔ یہیں اُس نے کئی بار سزا کاٹی۔ یہیں مر جائے گا۔ اور اُسے بمبئی سے باہر۔ کہیں بمبئی سے باہر جانے کی خواہش کبھی نہیں ہے۔ اس لیئے جھگّے نے بدستور اُسی لاپرواہی اور دلچسپی کے عالم میں لالی سے پوچھا۔

"کہاں تک ۔ ؟"

"دلّی تک ۔"

"آگے نہیں ۔"

"ہاں آگے بھی جاتی ہے ۔"

جھگّا سیڑھیاں اُتر کے پُشتے سے نیچے پگ ڈنڈی پر چلا گیا۔ مگر لالی ابھی تک اوپر پٹری کے اونچے پشتے پر سگنل کے کھمبے کے قریب کھڑا تھا۔ جھگّے نے نیچے اُتر کے اُوپر لالی کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔

"چھ بج رہے ہوں گے۔ اب تم بھی نیچے اُتر آؤ ۔"

"گھبراؤ نہیں ۔" لالی بولا۔ "میں کہیں بھاگنے کی تیاری نہیں کر رہا ہوں ۔"

جھگّے نے اپنی دلی بےچینی چھپاتے ہوئے کہا۔ "مگر بھاگ کے تمہیں کیا

مل جائے گا۔ تھوڑی دیر میں ہری داس نخرہ اچھی آتا ہوگا۔ تیس ہزار لے کر۔ پھر تم اُس سے نہایت میٹھے لہجے میں بات کر دگے۔"

لالی نے نقل کرتے ہوئے کہا۔ "بھیا۔ ذرا بتانا۔ تمہاری گھڑی میں ٹائم کیا ہے۔"

"اور پھر وہ تمہیں اپنی کلائی کی گھڑی دیکھ کر ٹائم بتائے گا۔"

"ہو سکتا ہے وہ آج نہ آئے۔" لالی بولا۔ جیسے یہ اُس کے دل کی آواز ہو۔ جھگّے نے سر ہلا کے بڑے قطعی لہجے میں کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آج دس تاریخ ہے۔ آج اُسے ساڑھے چھ بجے سے پہلے تنخواہ بانٹنی ہے۔ لالی صاحب نیچے اُتر آؤ نا۔ اُدھر کیا دیکھ رہے ہو۔؟"

لالی نے بڑی حسرت سے کہا۔ "دیکھ رہا ہوں۔ ریل کی پٹڑی چلی جا رہی ہے۔ چلی جا رہی ہے۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔"

جھگّے نے بیزاری سے کہا۔ "اس کو دیکھنے کی کیا بات ہے۔؟"

"کبھی کبھی ٹھنڈی گاڑی اس پر سے گزرتی ہے۔ کانچ کے نیلے نیلے دہرے شیشے اور اندر لوگ بیٹھے ہوئے۔"

"عمدہ کپڑے پہنے ہوئے۔" جھگّا بولا۔

"اخبار پڑھتے ہوئے۔"

"سگار پیتے ہوئے۔"

"اور خوبصورت عورتیں۔" لالی کی آنکھوں میں ایک رومانی غبار سا چھانے لگا۔ "ریشمی ساڑھیاں پہنے۔ سجے ہوئے جوڑوں کو اپنی کومل

انگلیوں سے ٹھیک کرتی ہوئیں۔"

جھگّے نے پوچھا۔" وہ آرہا ہے کیا۔؟"

لالی نے دور تک نگاہ دوڑا کر کہا۔" ابھی تو کہیں نظر نہیں آتا۔؟" پھر وہ سیڑھیوں سے نیچے پگ ڈنڈی پر اُتر آیا۔ اور لالی سے پوچھنے لگا۔" کیا تم نے کبھی تاروں کے کھمبوں کو سُنا ہے۔؟"

"ہاں۔" جھگّا بولا۔ جب ہوا چلتی ہے۔ تو سن سن کی آواز آتی ہے۔"

"نہیں۔" لالی نے سر ہلا کے کہا۔" جب ہوا نہیں چلتی ہے۔ جب بھی تم ان تاروں کو سُن سکتے ہو۔ لوگ اُن تاروں پر باتیں کرتے ہیں۔"

"کون لوگ۔؟" جھگّے نے پوچھا۔

" امیر لوگ۔" لالی بولا۔

"کیا باتیں کرتے ہیں۔؟"

"بس باتیں کرتے ہیں۔" لالی دھیرے سے بولا۔ کیونکہ یہ تو اُسے بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ امیر لوگ کیا باتیں کرتے ہیں۔ اُس کی ساری زندگی جن لوگوں میں گزری تھی۔ اُن میں کوئی امیر نہ تھا۔" اِدھر سے وہ باتیں کرتے ہیں۔ اُدھر سے دوسرے امیر لوگ جواب دیتے ہیں۔ تار گونجتے ہیں۔ دم۔ دم۔ دم۔ دم

"وہ دمدم، دمدم، دمدم کیوں کرتے ہیں۔" جھگّے نے پوچھا۔

"وہ بولتے ہیں۔ دام۔ دام۔ دام۔ یعنی پیسہ پیسہ پیسہ ... تم کان لگا کے سُنو۔"

"کاہے کو۔۔؟"

"اُن کی پوری بات سننے کو۔" لالی نے اُسے بتایا۔

"تم ایک دم پاگل ہو۔" جھگا زور سے ہنسا۔ بولا۔ "تم کو ایک ہی بیماری ہے پیسہ۔ گھبراؤ نہیں۔ بہت جلد ہی ہمارے پاس بھی پیسہ ہو جائے گا۔ ڈھیر سارا روپیہ۔"

لالی ہنس کر کہنے لگا۔ "میں کہوں گا۔ بھیّا جی۔ ذرا بتانا۔ آپ کی گھڑی میں کیا ٹائم ہے۔"

جھگا مضطرب لہجے میں ٹہلتے ہوئے بولا۔ "کم بخت ابھی تک نہیں آیا۔ پھر ٹہلتے ٹہلتے رُک کر لالی سے پوچھنے لگا۔ "تمہارے پاس تاش ہے؟"

لالی نے جرسی کے اندر سے تاش نکالی۔

"پیسے بھی ہیں۔۔؟" جھگا نے پوچھا۔

"گیارہ آنے۔" لالی نے اُسے بتایا۔

جھگا چوبی زینے پر دائیں طرف بیٹھ گیا تاکہ ہری داس کو آتے ہوئے دُور سے دیکھ سکے۔ لالی بائیں کونے پر بیٹھ گیا۔ بیچ کے زینے کے تختے کو اُنہوں نے پتّے پھینکنے کے لئے صاف کر لیا۔ جھگے نے تاش پھینٹتے ہوئے کہا۔ "تو چلو۔ نکالو گیارہ آنے۔ گیارہ آنے ہی سہی۔ داؤ لگائے بغیر تاش کا مزا ہی نہیں آتا۔"

"تو شروع کرو۔" لالی بولا۔

جھگے نے بڑی مشاقی سے پتّے پھینٹے۔

پھر دونوں فلاش کھیلنے لگے۔ پہلے ہی ہتھے میں جھگا جیت گیا۔ گیارہ آنے اُس نے جیب میں ڈال لئے۔

لالی بولا "اب آگے چلو۔"

"آگے کیا چلوں۔۔؟" جھگا بے تعلقی سے بولا۔ "اور پیسے ہیں تمہارے پاس۔"

"نہیں۔"

"تو پھر کھیل ختم سمجھو۔" جھگے نے تاش کے سارے پتے ملا کے تاش اکٹھی کرکے رکھ دی۔ "ہاں اگر تم دوسرے طریقے سے کھیلنا چاہو۔"

"کس طریقے سے۔؟ لالی نے پوچھا۔

"قرض لے کر۔"

"مجھ پر اعتبار کرو گے۔؟"

"نہیں۔" جھگا بولا۔ "مگر میں بعد میں کاٹ لوں گا۔"

"کس میں سے۔؟" لالی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

"جو سولہ ہزار تمہیں ملیں گے۔ اس میں سے" جھگے نے جواب دیا۔

لالی چونک گیا۔ ایک دم اُس کا چہرہ لال ہو گیا۔ اُس نے پگ ڈنڈی پہ نظر دوڑائی۔ کہیں خزانچی تو نہیں چلا آرہا ہے۔ پھر جب دیکھا کوئی نہیں ہے تو آہستہ سے عجیب لہجے میں بولا "اچھا تو شروع کرو۔"

جھگے نے کہا۔ "خزانچی تیس ہزار روپیہ لا رہا ہے۔ اُس میں سے میرا حصہ سولہ ہزار کا ہے۔ تمہارا بھی اتنے ہی کا ہے۔ تو اب اُس اپنے حصے

میں سے میں آٹھ ہزار روپیہ داؤ پر لگاؤں گا۔ آٹھ ہزار تم لگاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔"

"جس کی قسمت میں ہوگا اُسے زیادہ مال مل جائے گا۔"

"تو شروع کرو۔"

جھگا پھر پتے شفل کر کے پتے بانٹنے لگا۔ دونوں اپنے اپنے پتوں کے حساب سے داؤ لگانے لگے۔ مگر کھیل کے دوران میں۔ یہ بات صاف ہو گئی۔ کہ لالی بالکل اناڑی ہے۔ اور جھگا چالاک اور بے ایمان۔ وہ فلاش کا منجھا ہوا پیشہ ور مشاق کھلاڑی معلوم ہوتا تھا۔ جو اس صفائی سے پتے لگاتا تھا۔ کہ لالی اُسے پکڑ نہیں سکتا۔ مگر جوں جوں لالی ہارتا جاتا تھا۔ اُس کا شبہ جھگے پر بڑھتا جاتا تھا۔ کہ ضرور یہ پتے لگا رہا ہے۔ اس گھبراہٹ۔ غصے اور اضطراب میں لالی اندھا دھند اناڑیوں کی طرح بلائینڈ پر بلائینڈ چلتا گیا۔ اور بازی ہارتا گیا۔ آخری داؤ بھی جھگے نے جیت لیا۔ اور تینوں پتے لالی کو دکھا کر جلدی سے انہیں تاش میں ڈال کے شفل کرنے لگا۔ کہ لالی نے غصے میں آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور گرج کر بولا۔ "تم پتے لگا رہے ہو بے ایمان۔"

جھگے نے کہا۔ "کون میں۔؟"

ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ اُسے ہری داس آتا دکھائی دیا۔ اُس نے آہستہ سے لالی سے کہا۔ "شش۔ شش۔" اور ہری داس کی طرف اشارہ کیا۔

لالی نے جھگّے کا ہات چھوڑ دیا۔ اور بے وقوفوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ جھگّا ایک دم سیڑھیوں سے اُٹھا۔ اور خزانچی کا راستہ کاٹ کر اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ لالی ابھی تک ایک احمق کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا۔ خزانچی کے پیچھے سے جب جھگّے نے اُسے اشارہ کیا تو وہ ہوش میں آیا۔ اور اُس نے کانپتے ہوئے لہجے میں ہونٹوں پر زبان پھیر کر خزانچی سے کہا۔

"بھیّا صاحب کیا ٹائم ہے۔ آپ کے وقت میں۔"

لالی سخت گڑبڑا گیا تھا۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ مگر جھگّے نے اُس کے پوچھتے ہی اپنا چاقو نکالا۔ اور مارنے کے لئے ہری داس پر جھپٹا۔ کہ اتنے میں خزانچی نے بڑی پھرتی سے مڑ کر جھگّے کا وہ ہات جس میں اُس نے چاقو اُٹھایا تھا۔ زور سے دبا لیا۔ اور اس زور سے موڑا۔ کہ "سی" کی آواز نکال کے جھگّا نیچے پگ ڈنڈی پر گر گیا۔ مگر ہری داس نے اُس کا ہات نہیں چھوڑا۔ کیونکہ وہ دہرے بدن کا تگڑا اکسرتی چالیس برس کا آدمی تھا۔ فوراً اُس نے اپنی جیب میں ہات ڈال کر پستول نکالا۔ اور اُس کی نالی لالی کے سینے پر رکھ دی۔ اور پھر گھڑی دیکھ کر طنزاً کہا۔ "تم نے ٹائم پوچھا تھا نا میرے بھائی۔؟ سو ٹائم ہے چھ بج کر پچیس منٹ۔"

اتنا کہہ کر اُس نے ایک بار لالی کی طرف دیکھا۔ جس کا سینہ اُس کے ریوالور کی زد میں تھا۔ دوسری بار نیچے گرے ہوئے جھگّے کی طرف جس کا ہات اُس کے ہات میں مضبوطی سے جکڑا ہوا تھا۔ آہستہ

سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "آج بھگوان نے بڑی کرپا کی۔ میں نے وہی ہاتھ پکڑ لیا۔ جس میں چاقو تھا۔ ورنہ" پھر وہ مڑ کر لالی سے کہنے لگا۔

"اب آرام سے یہیں کھڑے رہو۔ ورنہ یہ ریوالور دیکھتے ہو۔ اس کے اندر چھ گولیاں ہیں۔ تم دونوں کے لئے صرف دو کافی ہیں۔"

جھگا بڑی عاجزی سے کہنے لگا۔ "مجھے جانے دو مہاراج۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔"

ہری داس زور سے ہنسا۔ "ہا۔ ہا۔ اور یہ کیا ہے تمہارے ہاتھ میں۔؟" اُس نے جھگے کے ہاتھ کو تھوڑا سا اور موڑ کے اور کس کے اُسے چاقو دکھایا۔ جو ابھی تک جھگے کی مٹھی میں تھا۔ "کیا تم یہ سمجھتے تھے۔ کہ میرے بیگ میں آم ہوں گے۔ جنہیں تم اس چاقو سے کاٹ کے کھا جاؤ گے۔ معاف کرنا بھائی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ تمہارے لئے اپنے بیگ میں پھل لے کر نہیں آیا۔"

اب لالی نے کہا۔ "مگر۔ میں۔ میں تو۔"

"ہاں بیٹے۔" ہری داس نے اُس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم نے تو صرف ٹائم پوچھا تھا۔ صرف ٹائم۔ سو بتا رہا ہوں۔ اب چھ بج کر ستائیس منٹ ہو چکے ہیں۔"

جھگا زمین پر لوٹ کر کہنے لگا۔ "ہمیں بخش دو۔ سرکار۔ ہم نے کچھ نہیں کیا۔"

"میں سرکار نہیں ہوں بھائی۔ میں تو ایک غریب تنخواہ دار خزانچی

ہوں۔ سرکار کے سامنے تو اب تمہیں جانا پڑے گا۔ جہاں اتنی جلدی تمہاری خلاصی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر میں ہوشیار نہ ہوتا۔ تو تمہارا چاقو اب تک میری پسلیوں میں گھس گیا ہوتا۔ دل کے پار۔ کیوں۔ ؟"

مگر لالی نے سوکھے ہونٹوں سے پھیکے پھیکے لہجے میں کہنے کی کوشش کی۔ "میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔"

ہری داس نے ایک قہقہہ لگایا۔ بولا "پیچھے مڑ کے دیکھو۔ گھبراؤ نہیں۔ ذرا پیچھے مڑ کے دیکھو۔ مگر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ یہ گولی تمہیں وہیں لٹا دے گی۔ دیکھو تو کون آ رہا ہے۔ اُدھر سے۔ ؟"

لالی نے گھوم کر دیکھا۔ پھر وحشت ناک انداز سے جھنگے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "پولیس۔"

جھنگے نے پھسلنے کی کوشش کی۔

ہری داس گرج کر بولا "بس چپکے پڑے رہو۔" پھر لالی کی طرف مڑ کر بولا۔ "پولیس کے کتنے آدمی تمہیں نظر آتے ہیں۔ ؟"

"دو۔" لالی نے آہستہ سے کہا۔ شرم سے اُس کی آنکھیں جھک گئیں۔ چہرہ پھر لال ہو گیا۔

"دیکھ لیا۔ ؟" ہری داس نے پوچھا "اب بچ کے کہاں جاؤ گے بیٹا۔" پھر ہنس کر بولا۔ "ایسے احمق میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ اتفاق سے آج ہی ریوالور میں نے جیب میں رکھ لیا۔ اور اگر نہ بھی ہوتا۔ تو میں تمہارے جیسے چار غنڈوں پر بھاری ہوں۔ ؟" اُس نے غصے

سے جھگّے کے ایک ٹھوکر ماری۔ جھگّا تڑپنے لگا۔ اور سانپ کی طرح لچک لچک کر بل کھانے لگا۔ ہری داس بولتا گیا۔ "تم نے اتنا بھی نہ سوچا۔ کہ میں کدھر سے آ رہا ہوں۔ روپیہ کے لالچ نے تمہیں کس قدر اندھا کر دیا ہے۔ کہ تم نے یہ بھی نہ دیکھا۔ کہ میں فیکٹری کی طرف نہیں جا رہا ہوں۔ فیکٹری سے آ رہا ہوں۔"

لالی کا چہرہ فق ہو گیا۔ اُس نے زبان دانتوں تلے رکھ لی۔

ہری داس مطمئن لہجے میں بولا۔ "اب سے آدھا گھنٹہ پہلے میرے بیگ میں تیس ہزار روپے تھے۔ مگر اس وقت ایک دھیلا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تنخواہ بانٹ کر آ رہا ہوں۔ تنخواہ بانٹنے نہیں جا رہا ہوں۔"

جھگّے کا لچکیلا بدن خم کھا کھا کر کسی نہ کسی زاویے سے ہری داس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہری داس کے دونوں ہاتھ مصروف تھے۔ اس لئے اُس نے چلّا کے آتے ہوئے سنتریوں سے کہا۔ "ارے جلدی آؤ سنتری جی۔ یہ ہمان بچا کر بھاگنے کی کوشش میں ہیں۔"

یکایک جھگّے نے خم ہو کر اور زور لگا کر اپنا بازو چھڑا لیا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ جُوں ہی ہری داس نے پستول کی نالی کا رُخ جھگّے کی طرف کیا۔ لالی موقع پا کر لکڑی کے زینے پر چڑھنے لگا۔ ریل کی پٹڑی پار کر کے بھاگنے کی نیت سے۔ دوسرے شکار کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر ہری داس نے جھگّا کا خیال چھوڑ کر لالی کا رُخ کیا۔ اُس سے جھگّے کو مزید بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔ ہری داس نے چلّا کر کہا۔ "رُک جاؤ۔ رُک جاؤ۔ ورنہ

گولی مار دوں گا۔" مگر جھگا پیڑوں کے جھنڈ میں غائب ہو چکا تھا۔ ہری داس نے سنتریوں کو آواز دی۔ "جلدی آؤ۔ ارے جلدی پہنچو ورنہ دوسرا بھی ہاتھ سے جائے گا۔ پھر اُس نے لالی کی طرف پستول کا نشانہ لگا کے کہا۔ رُک جاؤ۔ بھاگنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ پستول داغ دوں گا۔"

اتنے میں ایک پولیس مین ہری داس کے چلّانے کی آواز سُن کر پہلے پہنچ گیا۔ اُسے آتے دیکھ کر ہری داس کی جان آ گئی۔ پولیس کے بغیر ریوالور استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پولیس مین کے آنے کے بعد اُس نے بڑی مضبوطی سے پستول کا رُخ لالی کی طرف کیا۔ جو اب زینہ چڑھ کر اوپر ریل کے پُشتے پر سگنل کے کھمبے کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

پولیس مین نے چلّا کے کہا۔ "رک جاؤ۔ بھاگو مت۔ ورنہ مار دیئے جاؤ گے۔"

ہری داس چلّا کے بولا۔ "میرے بھیّا۔ اب ٹائم بتاؤں۔؟ سات سال۔ پورے سات سال جیل میں۔"

لالی ریل کے پُشتے پر کھڑا۔ پگ ڈنڈی پر کھڑے ان دونوں آدمیوں سے بہت اونچا نظر آ رہا تھا۔ اونچا اور دیو قامت۔ اُس کی گردن غرور سے تن گئی اور اُوپر اُٹھ گئی۔ نتھنے نفرت سے پھڑکنے لگے۔ اُس نے گھوم کر ہری داس اور پولیس مین کی طرف بڑی حقارت سے دیکھا اور بولا۔ "تم لالی کو نہیں پکڑ سکتے۔ کبھی نہیں پکڑ سکتے۔" پھر آنکھیں اُوپر اُٹھا کے اُس نے ایک لمحے کے لیے۔ آسمان کو دیکھا اور بولا۔ "لالی کبھی جیل نہیں جائے گا۔" اتنا کہنے کے بعد اُس نے جرسی میں ہاتھ ڈال کر چھُرا نکال لیا۔ اور

ایک عجیب گھٹی ہوئی چیخ کے ساتھ بولا۔ "شوبھا"

دوسرے لمحے ہی اُس نے پُورا چھُرا اپنے سینے میں اُتار لیا۔ ہری داس کے ہات سے ریوالور گر پڑا۔ پولیس مین بھی دھک سے رہ گیا۔ چند لمحوں چھُرا بھونک لینے کے بعد بھی لالی ریل کے پُشتے پر سیدھا کھڑا رہا۔ پھر لڑکھڑایا۔ پھر بجلی گرے درخت کی طرح ایک دم ٹوٹ کر زینے سے پٹخنیاں کھاتا ہوا ہری داس اور پولیس مین کے قدموں میں آگرا۔

اب دوسرا سپاہی بھی آچکا تھا۔ ہانپتا ہوا۔ وہ موٹے بدن کا آدمی تھا۔ اسی لئے اُسے آنے میں اتنی دیر ہوئی۔ ہری داس نے وحشت ناک لہجے میں آنے والے دوسرے سپاہی سے کہا۔

"چھُرا مار لیا۔"

"سینے کے اندر۔" پہلا سنتری بولا۔

"میں فیکٹری سے ٹیلیفون کرتا ہوں۔" ہری داس ریوالو اُٹھاتے ہوئے بولا۔ اور پستول کو کوٹ کی جیب میں رکھ کر حیرت آمیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے فیکٹری کی جانب چلا گیا۔

دوسرے سنتری نے جھک کر لالی کی نبض دیکھی۔ پھر آنکھیں اُٹھا کر پہلے سنتری سے کہنے لگا۔ "ابھی زندہ ہے۔ سانس چل رہی ہے۔ فیکٹری میں شاید کوئی ڈاکٹر ہوگا۔ اُسے بھی لانا چاہیئے۔ میں بھاگ کر خزانچی سے کہتا ہوں۔ تم جب تک وہ دونوں بائیسکل یہاں لے کے آؤ۔

دوسرا سنتری خزانچی کے پیچھے بھاگا۔ پہلا سنتری گندے نالے کے پاس جہاں اُنہوں نے اپنے سائیکل گرائے تھے۔ اُٹھانے چلا گیا۔

لالی اکیلا زمین پر لیٹا تھا۔ اُس کے خون سے مٹی سُرخ ہوتی جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں ہی پہلا سنتری دونوں سائیکلیں لے کر آ گیا۔ دونوں سائیکلیں اُس نے لالی کے قریب گرا دیں۔

ایکا ایک اوپر سگنل کی بتی سُرخ ہو گئی۔ اتنے میں دوسرا سنتری بھی آ گیا۔ دونوں دائیں بائیں لکڑی کے زینے پر بیٹھ گئے۔ اور ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگے۔

لالی اُن کے قدموں میں تھا۔

"ہے بابو۔" پہلے سنتری نے کہا۔

"کیا ہے۔ ؟" دوسرا سنتری جو پہلے سنتری سے زیادہ ہوشیار پُرانا۔ تجربے کار۔ اور سنیئر بھی معلوم ہوتا تھا۔ پہلے سنتری کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"اس کے سینے سے چھُرا نکال لوں۔ ؟"

"نہیں۔" فوراً مر جائے گا۔ اتنا خون بہے گا۔ کہ فوراً مر جائے گا۔ چھُرا ابھی سینے میں رہنے دو۔"

پہلے سنتری نے ادھر اُدھر دیکھا۔ پھر اپنی ننگی جانگھ پر زور سے ہاتھ مار کر بڑی بیزاری سے کہا۔ "ادھر بہت مچھر ہیں۔"

"ہاں۔" دوسرا سنتری بولا۔ "قریب ہی اندھیری کا گندا نالہ بہتا ہے نا؟"
پہلا سنتری کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔
"محمد بھائی۔ ؟"
"ہوں۔ ؟"
"بیڑی ہے۔ ؟"
"پہلے سنتری نے جیب سے ٹٹول کر بیڑی کا ایک مڑا تڑا بنڈل نکالا۔ ایک بیڑی اپنے منہ میں رکھی۔ دوسری بیڑی پہلے سنتری کو دی۔"

دوسرے سنتری نے جیب ٹٹول کر ماچس نکالی۔ پہلے سنتری کی بیڑی سلگائی۔ پھر اپنی سلگائی۔ منہ سے دھواں نکالتے ہوئے بولا۔
"سرکار نے ہماری پگار تو بڑھا دی ہے۔ پر مہنگائی پہلے سے بھی ڈبل ہو گئی ہے۔ کیسے جندہ رہیں گے۔ ؟" اس نے ماچس انگلی سے اچکا کر پھینک دی۔ جلتی ماچس نیچے لالی کے بالوں میں جا گری۔ پھر وہیں بجھ گئی۔

پہلے سنتری نے لمبی سانس لے کر اداس لہجے میں کہا۔ "زندگی کارنیوال کی طرح ہے میرے بھائی۔ اس میں جانے والا آخر کو ہارتا ہے۔ ہر کوئی۔ جیتنے والا بھی۔ ہارنے والا بھی۔ ٹکٹ بیچنے والا بھی۔ ٹکٹ خریدنے والا بھی۔ آخر میں ہر کوئی ہارتا ہے۔ چند منٹ کی خوشی چند منٹ کی روشنیاں۔ چند منٹ کے لئے آدمی جھولے میں اوپر جاتا

سہتا ہے۔ پھر نیچے آجاتا ہے۔ وہیں۔ جہاں سے وہ چلا تھا۔ سمجھ گئے میرے بھائی۔؟"

"ہاں۔"

"کیا سمجھے۔؟"

"یہی۔ پیٹ کاٹ کے جندہ رہو۔ وقت سے پہلے بڈھے ہو جاؤ اور مر جاؤ۔ بس یہی ہے زندگی۔"

"ہاں یہی۔"

"بالکل یہی۔"

دونوں خاموش ہو کر بیڑی پینے لگے۔ دُور کہیں ریل کی کوک سنائی دینے لگی۔

اور اوپر سگنل کے کھمبے سے ٹِرن ٹِرن کی آوازیں آنے لگیں۔

چندن سر جھکائے ہوئے اسٹوڈیو میں داخل ہوا۔ اُس نے سر اُٹھائے
بغیر فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ اُسے لا رہے ہیں۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو وہ پھر خود ہی بولا۔

"فیکٹری کے دو آدمی اسٹریچر پر لاد کر اُسے یہاں لا رہے ہیں۔"

اسٹوڈیو کا ہال۔ فرنیچر اور سامان سے صاف کر دیا گیا تھا۔ کیمرہ۔ ٹرالی اور رنگین پردے پیچھے ہٹا کر دیوار سے لگا دیئے گئے تھے۔ اسٹول اور دو بنچ بھی دوسری دیوار سے لگا دیئے گئے تھے۔ ایک کونے میں چارپائی بچھا دی گئی تھی۔ اور اُس کے قریب شوبھا کھڑی تھی۔ ولیم اور رستا کو بھی خبر ہو گئی تھی۔ اور وہ دونوں سر جھکائے دیوار سے لگے لکڑی کے ایک بنچ پر بیٹھے تھے۔ اُن کے قریب چاچی ہنستی کھڑی تھی۔ شوبھا کی نگاہ صرف دروازے پر تھی۔ چاچی ہنستی نے اپنے بیٹے چندن

سے پوچھا۔" اور ڈاکٹر کا کیا ہوا ؟"

چندن بولا۔" فیکٹری کا ڈاکٹر کسی کیس کو دیکھنے باہر گیا ہوا تھا اُسے ٹیلیفون کردیا ہے۔ وہ ابھی آتا ہی ہوگا۔"

رسنا بولی۔" اگر ڈاکٹر وقت پر آگیا۔ تو شاید وہ بچ جائے۔"

"سینے کا گھاؤ بہت گہرا ہے۔" چندن نے سوچ سوچ کر کہا۔" پر وہ ابھی سانس لیتا ہے۔ پہلے تو وہ بے ہوش تھا۔ پر جب اُسے سٹریچر پر لٹایا تو ہوش میں آنے لگا۔"

ولیم بولا" ہلنے جُلنے سے ہوش میں آگیا تھا۔"

چندن نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔" وہ آرہے ہیں۔"

رسنا بولی۔" جگہ کردو۔"

فیکٹری کے دو مزدور لالی کو سٹریچر پر اُٹھائے ہوئے اندر آگئے۔ ولیم اور رسنا بنچ سے اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ شوبھا نے خاموشی سے مزدوروں کو آگے چارپائی کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ان دونوں مزدوروں نے بڑی احتیاط سے سٹریچر کو چارپائی پر رکھ دیا۔ اور پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد پیچھے ہٹ کر اُس گروپ میں جا ملے۔ جہاں ولیم رسنا۔ چاچی ہنستی اور چندن کھڑے تھے۔ صرف شوبھا چارپائی کے پاس کھڑی تھی۔ اُس کی نگاہیں گویا چارپائی سے چپک گئی تھیں۔ کسی طرح ہٹنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ اتنے میں محمد بھائی سنتری اندر آیا۔ اور شوبھا کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد بولا۔" تم اِس کی عورت ہو۔ ؟"

شوبھا نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

محمد بھائی بڑی نرمی سے بولا۔ "فیکٹری کا ڈاکٹر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس لئے کمپونڈر نے اس کی پٹی کر دی۔ پر اس کو ہلنے جلنے نہیں دینا۔ خطرناک ہوگا۔"

شوبھا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

محمد بھائی نے اُس کی طرف دیکھ کر پریشان ہو کر اپنا سر کھجایا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "ڈاکٹر اب آتا ہی ہوگا۔ جب تک اسے ایسا ہی پڑا رہنے دو۔"

اتنا کہہ کر وہ اُلٹے پاؤں لوٹ گیا۔ پھر مُڑ کر دروازے سے باہر جانے لگا۔ ولیم۔ رسنا۔ چندن اور چاچی جو گروپ بنائے دروازے کے پاس کھڑے تھے۔ ہٹ گئے اور اُسے راستہ دے دیا۔ سنتری باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بڑی تکلیف دہ خاموشی رہی۔ پھر ولیم کو خیال آیا۔ اُس نے آہستہ سے رسنا کو کوہنی مار کے کہا۔ "ہم کو بھی اس ٹائم باہر چلے جانا چاہیئے۔ یہی ٹھیک رہے گا۔"

رسنا آگے بڑھ کر شوبھا کے پاس پہنچی۔ بولی۔ "شوبھا تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

شوبھا کچھ نہیں بولی۔

"شوبھا ہم کچھ کر سکتے ہیں۔" رسنا نے پھر پوچھا۔

شوبھا پھر کچھ نہیں بولی۔

"تو ہم باہر بیٹھے ہیں۔ باہر بنچ پر۔ ضرورت پڑے تو بلا لینا۔"

شوبھا نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ تورسنا۔ ولیم۔ چندرن۔ چاچی سر جھکائے اسٹوڈیو کے دروازے سے باہر چلے گئے۔

اب صرف شوبھا لالی کے پاس تھی۔ چند لمحوں کے بعد لالی نے آنکھ کھولی۔ شوبھا کو دیکھا۔ اپنا ایک ہاتھ آہستہ سے اُٹھایا۔ فوراً شوبھا جھک کر چارپائی کے پاس دوزانو ہو گئی۔ اُس نے لالی کا اُٹھا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

لالی نے بستر سے اُٹھنے کی کوشش کی۔ وہ ذرا سا اُٹھا۔ پورا اُٹھ کر بیٹھ نہیں سکا۔ اُسی حالت میں شوبھا کی طرف عجیب عجیب نگاہوں سے دیکھ کر بولنے لگا۔

"شوبھا۔ میری مُنیا۔ بات سُنو۔ جیسے ایرانی کے ہوٹل میں کچھ کھاتے ہیں۔ یعنی کھانے کے بعد۔ سب چکانا پڑتا ہے۔ حساب کرنا پڑتا ہے۔ جب بیرا بل لے کے آتا ہے۔ تو اسی طرح میرا بیرا بل لے کے آ گیا ہے۔ مُنیا مجھے سب حساب چکانا ہو گا۔ بے شک میں نے تمہیں مارا۔ مگر غصّے سے نہیں۔ تم سے خفا ہو کر بھی نہیں۔ اس لئے کہ میں تمہارا دُکھ نہیں دیکھ سکا۔ جس طرح تم ہمیشہ میرے لئے کڑھتی تھیں۔ وہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ اور میں نے تمہیں دو ہاتھ لگا دیئے۔ میں نے زندگی میں کوئی کام نہیں سیکھا۔ کیرٹیکر میں کیسے

بن جاتا۔ کیئر ٹیکر بننے کے لئے میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ کارنیوال! دوسری بار میں کارنیوال نہیں جا سکا۔ میں ہوشنگ بائی کا لونڈا بن کر زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اور۔ اب۔ اب میں کارنیوال کی دوسری لڑکیوں سے بھی کوئی تعلق نہ رکھنا چاہتا تھا۔ سمجھتی ہو۔ ؟"

"ہاں۔" شوبھا نے سر جھکا کے کہا۔

وہ گردھر دادا ہوشنگ بائی کے لئے بہت اچھا ہے۔ جو لطیفے وہ مجمع کو سناتا ہے۔ وہ سب میرے سنائے ہوئے ہیں۔ میں نے تم کو کچھ نہیں دیا۔ گھر نہیں دیا۔ کپڑے نہیں دیئے۔ دو ٹائم کا کھانا تک نہیں۔ ٹھیک ہے میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔ کبھی نہیں تھا۔ مگر میں کیئر ٹیکر (CARE TAKER) نہیں بن سکتا تھا۔ اس لئے۔ میں نے سوچا۔ میں تمہیں لے کر آسام چلا جاؤں گا۔ تم سمجھتی ہو۔ ؟"

"ہاں۔"

"میں تم سے معافی نہیں مانگتا۔ مجھ سے۔ جانے کیا بات ہے۔ معافی نہیں مانگی جاتی۔ آج تک۔ کسی سے بھی نہیں۔ بڑی بات ہے۔ پر یہ بات تم میرے بچے سے کہہ دینا۔ کہ لالی نے کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی۔ آج تک نہیں۔ اچھا۔ ؟"

"اچھا۔"

اور میرے بیٹے سے یہ بھی کہہ دینا۔ لالی اچھا آدمی نہیں تھا۔ پر۔ اگر وہ آسام پہنچ جاتا۔ تو شاید وہاں سے ایک نئی زندگی۔ مگر جانے دو۔ میں

تم سے بھی معافی نہیں مانگ سکتا۔ شوبھا۔ اور اب تم چاہو تو پولیس کو بلا لو۔ پتہ نہیں لڑکا ہو کہ لڑکی۔؟ پتہ نہیں۔ وہاں اُس پار مجھے اوپر والے کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ نہیں۔؟"

شوبھا کے منہ سے ایک سسکی نکل گئی۔

خیر... مجھے کسی کا ڈر نہیں۔ مگر میں سیدھا اُس کے سامنے پیش ہونا چاہتا ہوں۔ کسی چھوٹے آفیسر یا سنتری کے سامنے نہیں۔ ہاں اگر وہ بڑھئی آئے تو ضرور اُس سے شادی کر لینا۔ اور بچّہ۔؟ بچّے سے کہہ دینا کہ وہی بڑھئی اُس کا باپ ہے۔ وہ یقین کرے گا۔ ہے نا۔؟"

"ہاں۔"

"جب میں نے تمہیں پیٹا۔ تمہیں مارا۔ تو تم مت سمجھنا میں غلطی پر تھا۔ میں ٹھیک تھا۔ کبھی تو۔ لالی بھی ٹھیک ہو سکتا ہے۔ کوئی مجھے نہیں سمجھا آج تک۔ وہ سب۔ اپنے آپ کو ٹھیک اور مجھے غلط سمجھتے رہے۔ ہے نا۔؟"

"ہاں۔" شوبھا رو کر بولی۔

"شوبھا میرا ہات کس کے پکڑ لو۔" لالی زور سے چلّایا۔

شوبھا بولی۔ "میں تمہارا ہات پکڑے ہوئے ہوں۔"

"زور سے پکڑو میرا ہات۔؟" لالی گھٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ جیسے اُس کا نرخرہ کھنچ رہا ہو۔

شوبھا نے اُس کا ہات اور بھی زور سے اپنے ہاتوں میں دبا لیا۔

تو لالی بولا۔ "شاید میں جا رہا ہوں۔ شوبھا۔ اچھا مُنیا"
لالی نے ایک لمبی سانس لی۔ پھر واپس تکیئے پر سر رکھ دیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد اُس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ ہاتھ نیچے گر گیا۔
اتنے میں ڈاکٹر دروازے سے اندر آیا۔ اُس کے ساتھ وہی پہلا سنتری محمد بھائی تھا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی بے حد کاروباری انداز میں شوبھا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غیر جذباتی لہجے میں پوچھا۔
"یہ اُس کی عورت ہے۔۔؟"
سنتری بولا۔ "جی۔"
ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے ولیم۔ رسنا۔ چندن۔ چاچی ہنستی۔ ہوشنگ بائی سب لوگ احتراماً چارپائی سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور ڈاکٹر لالی کا معائنہ کرنے لگا۔ مگر اب اس وقت اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ اور اسٹور ڈیو میں روشنی بھی کم تھی۔ اس لئے ڈاکٹر نے کہا۔
"روشنی کم ہے۔"
چندن ڈارک روم سے ایک ٹارچ اُٹھا کر لایا۔ ڈاکٹر نے ٹارچ کو فوکس کر کے روشنی کو لالی کی پتلیوں میں ڈالا۔ پھر ٹارچ بند کر کے اُس نے سانس کی آواز سننے کی کوشش کی۔ دل کی دھڑکن اور نبض ٹٹولنے کے بعد بولا۔ "کسی کے پاس فونٹین پن ہوگا۔؟"
ولیم نے جلدی سے اپنا فونٹین پن ڈاکٹر کے حوالے کیا۔ ڈاکٹر نے اپنی جیب سے ایک چھپا ہوا فارم نکالا۔ جو وہ ایسے ہی موقعوں کے لیے

استعمال کرتا تھا۔ اُس پر لکھ کر اور اپنے دستخط کر کے اُس نے وہ فارم شوبھا کو دیتے ہوئے کہا۔ "تمہارا گھروالا مر چکا ہے۔" یہ سرٹیفکیٹ تمہارے پاس چھوڑے جا رہا ہوں۔ میونسپل کارپوریشن والوں کو دکھا دینا۔ یا پولیس کو یا جسے بھی اس کی ضرورت ہو۔ پھر پلٹ کر سنتری سے کہنے لگا۔ "پوسٹ مارٹم کا انتظام جلدی کر دو۔" پھر چاچی ہنستی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھے تولیہ اور صابن چاہیئے۔"

محمد بھائی بولا۔ "باہر سب انتظام کر دیا ہے ڈاکٹر صاحب۔"

محمد بھائی ڈاکٹر کو دروازے سے باہر لے گیا۔ اب پورے گروپ نے چارپائی کو گھیر لیا۔ شوبھا اُسی طرح دوزانو چارپائی کے قریب بیٹھی تھی۔ سر جھکائے۔ رسنا کے دل میں عجیب سا غصہ اُبل رہا تھا۔ وہ کہنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اپنی سہیلی کی حالت دیکھ کر اُس سے رہا نہیں گیا۔ دکھ اور غصہ دونوں ہی اس کی آواز میں کھُل گئے تھے۔ جب وہ کہنے لگی۔ "میں مرنے والے کو بُرا نہیں کہتی (My he rest in peace) پر میرے ساتھ بُرا نہیں ہوا۔ سچ کہتی ہوں۔ شوبھا بُرا نہ ماننا۔"

"ہاں۔" چاچی ہنستی رسنا کی ہاں میں ہاں ملا کر بولی۔ "وہ بھی عذاب سے چھُوٹ گیا۔ تو بھی۔"

شوبھا چُپ رہی۔

رسنا بولی۔ "ابھی تیری عمر ہی کیا ہے۔ تین مہینے تو ہوئے شادی کو۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ تمہیں ضرور کوئی اچھا آدمی مل جائے گا۔

ٹھیک ہے نا۔؟"

شوبھا کے جواب سے پہلے ولیم بول اُٹھا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو رسنا۔"

مگر رسنا کی اس سے تسلّی نہ ہوئی۔ اُس نے پھر شوبھا سے پوچھا۔ "میں ٹھیک کہتی ہوں نہ شوبھا۔؟"

"کون ٹھیک ہے۔؟ کون غلط۔؟ کیا اس کے جانچنے کا یہی موقعہ ہے۔؟" شوبھا نے سوچا۔ اور فرض کر لو کہ وہ سب ٹھیک ہی ہوں۔ اور ہم دونوں غلط ہی ہوں۔ تو بھی کیا دنیا کے سارے ٹھیک اور سارے غلط آدمی مل کر بھی ایک اس جان کو واپس لا سکتے ہیں۔؟ یہ کیسی دنیا ہے۔ مرنے سے بھی ٹھیک اور غلط کا حساب کرنے سے نہیں چوکتی۔ کون کہتا ہے کہ مُردے معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس دُنیا میں صرف زندوں کے لئے بخشش راحت اور معافی ہے۔ مُردوں کو کوئی معاف نہیں کرتا۔ پر۔ اگر یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ تو ایسے لوگوں سے اُلجھنے کا بھی یہ وقت نہیں ہے۔ اس لئے شوبھا نے آہستہ سر ہلا کے کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو رسنا۔"

شوبھا کا لہجہ بالکل غیر جذباتی تھا۔ اُس سے شاید چندن کو بات بڑھانے کی جرات ہوئی۔ بولا۔

"وہ بسنتا روز آتا ہے۔ اُس کی اپنی ورکشاپ ہے۔ اب بولنے

میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ وہ روز اسی کے لئے آتا ہے۔"

چاچی نے سر ہلا کے کہا۔" اس کی پہلی مر چکی ہے۔ بس دو بچے ہیں۔ نیک طبیعت کا ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔"

چاچی نے ولیم کو دیکھ کر سر ہلایا۔

شوبھا چپ رہی۔

رسنا پھر بولی۔" جیسے اُسے اپنے کہنے پر اب تک یقین نہ آیا تھا۔ "میں اُس کو بُرا نہیں کہتی۔ پر وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔"

"یہ تو میں بھی کہتا ہوں۔" ولیم بولا۔" اچھا آدمی اپنی والف کو مارتا پیٹتا نہیں ہے۔"

رسنا سر ہلا کے بولی۔"تم ٹھیک کہتے ہو ولیم۔" پھر وہ شوبھا سے مخاطب ہو کر بولی۔" کیوں شوبھا۔؟ ولیم ٹھیک کہتا ہے نا۔؟"

"ہاں۔"

"ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔"

"ہاں۔" ولیم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔" یہ بھی عذاب سے چھوٹ گئی۔" پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔" تمہاری عمر کیا ہے شوبھا۔؟"

"اُنیس برس۔"

"انیس۔؟۔ تو۔ ابھی تو تم بچی ہو۔" ولیم نے دائیں بائیں حیرت سے سر ہلا کے کہا۔ (Just a child) ٹھیک ہے نا رسنا۔؟"

"ہاں ولیم۔" رسنا بولی "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

چندن نے کل معاملے پر غور کر کے گویا آخری فیصلہ دیا۔ "اگر میری ماں کا گھر نہ ہوتا۔ تو کون ان دونوں کو اپنے گھر میں رکھتا۔ کون انہیں روٹی کپڑا دیتا۔ آگے سے ہوا سون آ رہی ہے۔ کہاں جانتے ہیں دونوں۔ ؟"

رسنا نے شوبھا کو دھیرج دیتے ہوئے کہا۔ "ایک سال بعد تم اُسے بھول بھی جاؤ گی۔" اتنا کہہ کر وہ رُکی شاید وہ شوبھا سے اس کی تائید چاہتی تھی۔ جب شوبھا کچھ نہیں بولی۔ رسنا نے پھر پوچھا۔

"ہے نہ شوبھا۔"

شوبھا نے کہا۔ "ہاں رسنا تم ٹھیک کہتی ہو۔"

ولیم نے دایاں پیر اُٹھا کر اپنے جسم کا سارا بوجھ بائیں پیر پر رکھا۔ پھر بایاں پاؤں اُٹھا کر اپنا بوجھ دائیں پیر رکھا۔ پھر بڑے بے ہنگم طریقے سے کہنے لگا۔ کیونکہ اُس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ کیا کہے۔ جس طرح سے بے ہنگم منظر سے خلاصی کرے۔ اس کے علاوہ یہ بات تھی کہ اُسے واقعی شوبھا سے ہمدردی تھی۔ مگر لالی سے نہیں تھی۔ اور دل عجیب و غریب متضاد جذبات کی جگہ بن گیا تھا۔ وہ ایک لفظ ہمدردی کا کہنا چاہتا تھا۔ اُس پر اُسے یقین تھا۔ کہ اب تک جو کچھ اُس نے کہا تھا۔ وہ سب غلط تھا۔

اس لئے وہ سر ہلا کے عجیب اذیت ناک لہجے میں بولا۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت پڑے۔ کسی مدد کی تو۔ بول دینا۔ ہم جانتے

ہیں۔ کل پھر آجائیں گے۔" پھر وہ مڑ کر رسنا سے کہنے لگا۔ "چلو رسنا۔" اس کے بعد اُس نے شوبھا کے سر پہ ہاتھ رکھا اور کہا (God be with you)

رسنا شوبھا کے گلے لگ گئی۔ اب شوبھا بھی سسکیاں لے کر رونے لگی۔ رسنا بھی رونے لگی۔ تو شوبھا روتے ہوئے اس سے کہنے لگی۔ "رو مت رسنا۔" رسنا شوبھا سے الگ ہوتے ہوئے بولی "میں کل آؤں گی۔" وہ آنسو پونچھتی ہوئی ولیم کے بازو کا سہارا لے کر چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد چاچی نے شوبھا سے کہا "تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ میں تمہارے لئے چائے بناتی ہوں۔"

چاچی ہنستی اتنا کہہ کر کچن میں چلی گئیں۔ اب چندن اکیلا شوبھا کے پاس کھڑا رہ گیا۔ ایکا ایک اُسے احساس ہوا۔ کہ اُس کے پاس شوبھا کا دُکھ دور کرنے کے لئے اسے ڈھارس بندھ دینے کے لئے لفظ نہیں ہیں۔ اس لئے وہ خاموشی سے سر جھکائے ہوئے ڈرائنگ روم میں کھسک گیا۔

اب مسز ہوشنگ رہ گئی۔ اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ اور چہرے کے پُٹھے بار بار عجیب طریقے سے پھڑکتے تھے۔ اُس نے چارپائی کے قریب آکر چادر سے ڈھکی ہوئی لاش کی طرف دیکھ کر شوبھا سے اجازت چاہی۔

"ذرا میں اس کا چہرہ دیکھ لوں ۔۔۔؟"

شوبھا چُپ رہی ۔۔

وہ پھر بولی۔ "کیا مجھ سے خفا ہو ۔۔۔ ؟"

"نہیں ۔" شوبھا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "میں کسی سے خفا نہیں ہوں ۔"

مسز ہوشنگ چپ چاپ ذرا ذرا ڈولتی ہوئی چارپائی کے قریب کھڑی رہی ۔ پھر گھٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آؤ صلح کر لیں ۔"

"صلح کے لئے اب رہ کیا گیا ہے ۔" شوبھا نے جواب دیا۔

مسز ہوشنگ نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا ۔ "یہ سب لوگ اس بے چارے کو بُرا کہہ رہے ہیں ۔ سوائے ہم دونوں کے تم جانتی ہو۔ یہ اتنا بُرا آدمی نہیں تھا ۔"

"تھا ۔" شوبھا زور سے بولی ۔

مسز ہوشنگ ایک لمحے کے لئے حیرت زدہ ہو گئی ۔ پھر ذرا سا مسکرا کر بولی۔ تمہیں مارتا تھا نا ؟" اس نے پوچھا ۔ "میں سمجھ سکتی ہوں ۔" اس نے دو تین بار سر ہلا کے کہا ۔ "پھر وہ مجھے بھی مارتا تھا ۔ پر ۔ اب میں ان باتوں کو بھول چکی ہوں ۔"

شوبھا بڑی سرد مہری سے بولی ۔ "وہ تم جانو ۔"

"میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی ہوں ۔ ؟" مسز ہوشنگ نے بات بدل دی ۔

"مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے ۔" شوبھا نے جواب دیا۔

مسز ہوشنگ چند لمحے کے لئے ہچکچائی ۔ پھر اس نے وہ بات کہہ دی ۔ جو وہ ایک عرصے سے کہنا چاہتی تھی ۔ "مجھے اس کے پندرہ روپیے

دیئے تھے پچھلی تنخواہ میں سے۔"

"تو اُس کو دے دیئے ہوتے۔" شوبھا نے کہا۔

"خیر... وہ بے چارہ تو مر چکا ہے۔" مسز ہوشنگ کے دل میں فیاضی کی ایک لہر اُٹھی۔ "وہ روپے اب میں تم کو دے سکتی ہوں۔ ایک ہی بات ہے۔"

"مجھے نہیں چاہئیں۔"

مسز ہوشنگ ایک لمبی سانس لے کر بولی۔ "جیسی تمہاری مرضی۔ میں زبردستی نہیں کروں گی۔ میں ادھر جواب تک رُکی۔ تو تم سے صرف صُلح کرنے کے لئے۔ کیونکہ اس دُنیا میں صرف ہم دو عورتیں اُس سے محبت کرتی تھیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ہم دونوں کو اس مصیبت میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیئے۔"

"نہیں۔ میں ایسا نہیں سوچتی۔ شوبھا بولی۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا۔" مسز ہوشنگ نے اندازہ لگا کر کہا۔ اور جو کچھ اُس نے اندازہ لگایا۔ اُس سے خوش ہو کر کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس سے اتنا پیار نہیں کرتی تھیں۔ جتنا میں کرتی ہوں۔"

"ہاں۔"

"میں نے تم سے بڑھ کر اُسے چاہا۔"

"ہاں۔ مسز ہوشنگ۔"

"مسز ہوشنگ نے اپنے ہونٹ چبائے۔ ایک بار لالی کو غصّے سے

گھور کر دیکھا۔ دوسری بار شوبھا کو۔ پھر کچھ کہے سُنے بغیر پلٹ گئی۔ اور تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اسٹوڈیو سے باہر چلی گئی۔

اب کوئی نہ تھا۔ لالی کے پاس صرف شوبھا رہ گئی۔ اب وہ ذرا کھسک کر اُس کے قریب آگئی۔ چادر ہٹا کر اُس کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ پھر اُس کے ماتھے کی الجھی لٹ کو پیچھے ہٹا کر بڑے درد بھرے لہجے میں اُس سے کہنے لگی۔ "سو جاؤ۔ لالی۔ سو جاؤ۔ میرے۔ اپنے۔ سو جاؤ۔ وہ کون ہوتی ہے تم سے پیار کرنے والی۔ میں تو کبھی پیار کا ایک لفظ بھی تم سے نہ بول سکی۔ کبھی نہیں کہا تم سے۔ لالی۔ میرے سنگھے۔ بدمعاش۔ آوارہ۔ پیارے میرے لالی۔ کوئی نہیں سمجھ پاتا تجھے۔ ؟ تو اب کہہ دوں۔ اب کہنے میں کیا حرج ہے۔ کیونکہ اب تم سُن نہیں سکتے۔ اس لئے کہہ دوں لالی۔ کہ تم بہت بُرے تھے۔ تم نے مجھے مارا۔ اور پیٹا۔ یہاں پر۔ (سر پر اُنگلی رکھ کر) اور یہاں پر۔ (چہرے پر اُنگلی رکھ کر) اور یہاں پر (سینے پر اُنگلی رکھتی ہے)۔ تیری مار کے نیل پڑ گئے۔ (سسکی لے کر) وہ میرے بدن پر تیرے دیئے ہوئے گہنوں کی طرح سج گئے۔ میں اُس سے تیری دُلہن تھی لالی۔ مجھے لاج آتی ہے یہ کہتے ہوئے۔ (رو کر) سو جاؤ۔ میرے لالی۔ میرے پیارے۔ گنڈے۔ میرے اپنے۔ سدا سے اپنے۔ سو جاؤ۔ سو جاؤ۔"

اُس کا چہرہ چادر سے ڈھانپ دیتی ہے۔ آہستہ سے اٹھتی ہے۔ ایک طلبچے میں سے گیندا اُٹھا کے لاتی ہے۔ اور دھیرے دھیرے منہ ہی منہ

میں پڑھنے لگتی ہے۔ چند منٹوں وہ اسی طرح پڑھتی رہی۔ اور اس طرح بسنتا
بڑھئی دروازے سے داخل ہو کے خاموشی سے کھڑا اُسے گیتا پڑھتے
ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ہمت کر کے آگے آیا۔ اور کھانس کر بولا۔

"شوبھا رانی۔"

"کون ہے؟" کہہ کر شوبھا نے کتاب پر سے سر اُٹھایا۔ پڑھتے ہوئے
(اندھیرے میں) اُس نے دیکھا بسنتا بڑھئی سر پر کھڑا ہے۔ وہ چونک کر بولی۔

"کیا ہے بسنتے کیا چاہتے ہو۔؟"

"کوئی مدد کر سکتا ہوں۔" وہ اپنے لمبے لمبے مضبوط ہاتھ ملتے ہوئے
ندامت سے بولا۔ "کوئی۔ ایسے سمے میں تمہارے پاس ٹھہر سکتا ہوں۔"

شوبھا سر ہلا کے بولی۔ "نہیں بسنتے چلے جاؤ۔"

"کل آؤں۔؟"

"نہیں کل بھی نہیں۔"

"غصہ نہ کرو شوبھا رانی۔" وہ اپنے صاف سچے اکھڑ لہجے میں بولا۔ "پر
مجھے کچھ اُمید۔ کچھ معلوم تو ہو جائے۔ کچھ بھی تو اب میں جوان نہیں ہوں۔
اور میرے دو بچے بھی ہیں۔ پر۔ مجھے ذرا سی بھی اُمید ہو تو میں کل پھر آ جاؤں گا۔؟"

"نہیں بسنتے۔" شوبھا فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "کل بھی مت آنا بسنتے۔
کبھی مت آنا۔" شوبھا نے اتنا کہہ کر پھر سر جھکا لیا۔ اور گیتا پڑھنے لگی۔
بسنتا خاموش کھڑا چند لمحے اُسے بڑی ہمدردی سے، محبت، چاہت، ندامت سے
دیکھتا رہا۔ پھر سر ہلاتے ہوئے۔ جیسے اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔ پلٹ کر

واپس باہر چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد جھنگا اندر آ گیا۔ خاموش بے آواز قدموں سے چارپائی کی پائنتی کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا۔ اور لالی کو دیکھ کر عجیب طرح سے سر ہلانے لگا۔ اور اُس کے نتھنوں سے عجیب سُوں سُوں کی آواز پیدا ہوئی۔ شوبھا نے سر اُٹھا کے جھنگے کی طرف دیکھا۔ اُس کی نگاہ اتنی تیز اور تیکھی تھی۔ کہ جھنگا گھبرا کے پیچھے ہٹ گیا۔ پھر رُک کر دانتوں سے اپنے ناخن کاٹنے لگا۔ شوبھا اپنی جگہ سے اُٹھی۔ تو وہ اور بھی گھبرا گیا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا "چائے تیار ہے۔ وہ لوگ کچن میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ جلدی سے بھاگ گیا۔ شوبھا نے لالی کے جسم پر کپڑا ٹھیک سے رکھا۔ پورے بدن کو اچھی طرح سے چادر سے ڈھک دیا۔ پھر کچن کی طرف چلی گئی۔

اب لالی کی لاش چادر سے ڈھکی ہوئی اکیلی رکھی تھی۔ بڑے ہال میں اندھیرا اور سناٹا تھا۔ صرف کھلی کھڑکی سے کارنیوال کا شور اور اُس کی موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ لالی کا صوفہ کھڑکی کے نیچے خالی رکھا تھا۔

ایکا ایک کارنیوال کا شور اور اُس کی موسیقی بڑھنے لگی۔ اور اُس موسیقی میں مسز ہوشنگ بائی کے نئے آرگن کی دُھن سب سے نمایاں تھی۔ اس دُھن میں بار بار اب لالی اور جھنگے کے پُرانے گیت کے سُر سنائی دینے لگے۔ جو اُنہوں نے واردات پر جانے سے پہلے اسی کمرے میں گاتے تھے۔ پھر ایک عجیب طریقے سے اُنہی دُھنوں میں ایک نئی پُر وقار جنّتی موسیقی کے سُر اونچے ہونے گئے۔ یکایک اسٹوڈیو کے دروازے

سے دو پُراسرار آدمی داخل ہوئے۔ اُنہوں نے سیاہ چوغے پہن رکھے تھے۔ اور اُن کے سر پر سیاہ پگڑیاں تھیں۔ اور وہ دونوں بھاری عصا ٹیکتے ہوئے بے آواز قدموں سے داخل ہوئے اور آگے بڑھ کر وہ دونوں چارپائی کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ پھر ایک لالی کی لاش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اُٹھو ہمارے ساتھ چلو۔"

"ہاں۔" دوسرا بولا۔ "ہم تمہیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

پہلا۔ "سنتے ہو۔ اُٹھ جاؤ۔"

دوسرا۔ "ہم پولیس والے ہیں۔"

پہلا۔ "اُٹھو ہمارے ساتھ چلو۔"

لالی آواز سن کر چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بے نور آنکھوں سے خلا میں دیکھ رہا تھا۔

دوسرے نے اپنے عصا سے چارپائی کو چھو کر کہا۔ "ہاں اب چل دو۔"

پہلا۔ "یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مرنے سے ان کی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ صرف سینے میں چاقو مار لینے سے۔ دل کی حرکت بند کر لینے سے۔ اپنی بیوی کو چھوڑ دینے سے۔ اور اُس کے پیٹ کے بچے کو لاوارث کر دینے سے اتنا آسان نہیں ہے چھوٹنا۔

دوسرا۔ "وہاں تمہارا حساب ہو گا۔"

دوسرے نے اپنے عصا سے لالی کے اکڑے ہوئے جسم کو چھو دیا۔ لالی کی آنکھوں کی پتلیوں میں روشنی لوٹ آئی۔ اُس کے چہرے پر ایک عجیب

سی ٹھیا آگئی۔ وہ چارپائی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

پہلا پُراسرار آدمی بولا "چلو۔"

دوسرے نے کہا۔ "تم اس دُنیا کے آدمی سمجھتے ہو۔ کہ مر کر آسانی سے چھٹکارہ مل جاتا ہے۔؟"

پہلا بولا۔ "چھٹکارہ مل جانا اتنا آسان نہیں ہے۔ ابھی یہاں کے لوگ تمہارے نام کو جانتے ہیں۔ تمہارے چہرے کو پہچانتے ہیں۔ جو تم نے آج تک کہا۔ کیا جو تم نہ کر سکے۔ وہ سب یاد ہے۔ یاد ہے تمہاری ہر نگاہ۔ آواز کی وہ کھنک۔ ہاتھ کی وہ گرمی۔ چاپ کی وہ صدا۔ اور جب تک وہ کسی کو یاد ہے۔ معاملہ ختم نہیں ہو سکتا۔ ختم کرنے سے پہلے بہت کچھ کرنا ہوگا۔ میرے بیٹے جب تک تم بالکل بھلا دیئے نہیں جاؤ گے۔ اُس وقت تک اس دھرتی سے تمہارا رشتہ ختم نہیں ہوگا۔ مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوگا۔"

پھر دوسرے پُراسرار آدمی نے چارپائی کے قریب کھڑے لالی کو اشارہ کر کے کہا۔ "آؤ۔"

آگے آگے پہلا پُراسرار آدمی چلنے لگا۔ اُس کے پیچھے پیچھے لالی۔ اُس کے پیچھے دوسرا پُراسرار آدمی عصا ٹیکتا ہوا۔ وہ تینوں چلتے چلتے بڑھتی ہوئی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد بھی چارپائی پر چادر میں چھپی ہوئی لاش اُسی طرح ڈھکی ہوئی رکھی تھی۔ کہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے یہاں سے اُٹھ کر

کوئی نہیں گیا۔

پھر شوبھا کچن سے روشنی سے کر آگئی۔ اور جب وہ اندر آگئی۔ تو اُسے ایسے لگا۔ جیسے ابھی ابھی کوئی سانس کی طرح کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اُس بار دوسری دُنیا میں جب اُس کو عدالت کے کمرے میں لے جایا گیا۔ تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ یہ عدالت اُسی طرح کی تھی۔ جس طرح کی عدالت میں وہ بار دیا اندھیری میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اپنے خلاف کسی ثبوت کے نہ ملنے پر رہا کر دیا گیا تھا۔

جس کے اونچے چوبی جنگلے کے پیچھے مجسٹریٹ کی اُونچی کرسی تھی اور اُس کے آگے ایک مستطیل نما میز جس پر ہرے رنگ کی فلالین منڈھی تھی اور روشنائی کے داغ تھے۔ مجسٹریٹ کی کرسی کے پیچھے دیوار پر لکڑی کا بڑا ایک چوکھٹا ٹنگا تھا۔ جس میں تصویر کے بجائے ایک ہندسہ لکھا ہوا تھا۔ جس دیوار پر یہ چوکھٹا ٹنگا تھا۔ وہ مجسٹریٹ کی کرسی کے پیچھے واقع تھی۔ اور اُس دیوار کے دائیں بائیں دو بے حد مضبوط آہنی دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ جن پر آہنی بولٹ لگے تھے۔ اور جنہیں باہر سے وہ آہنی بولٹ ہٹا کے ہی کھولا جا سکتا تھا۔ دائیں بائیں کے ان دروازوں کے بیچ میں دیوار کے

عین مرکز میں کرسی کے بالکل پیچھے ایک اور دروازہ تھا۔ اس پر ایک گھنٹی لگی ہوئی تھی۔

چوبی جنگلے کے اندر ہی عدالت کی کرسی کے قریب دائیں طرف پیشکار کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کے بالکل نیچے ملزموں کا کٹہرا تھا۔ اس کے نیچے قطار در قطار لکڑی کے بہت سے بنچ بچھے تھے۔ پرانے اور بوسیدہ لکڑی بھوری ہو چکی تھی۔ اور کیلیں زنگ آلود تھیں۔ لالی نے محسوس کیا۔ کہ ان بنچوں سے آگے عدالت کے کٹہرے سے بالکل سامنے وکیلوں کی میز ہوا کرتی تھی۔ اور ان کی کرسیاں۔ یا وہ یہاں غائب تھیں۔

جونہی لالی اپنے سیاہ چوغوں والے دو سنتریوں کے ساتھ داخل ہوا۔ اس نے دیکھا پیشکار گنجا ہے۔ مگر اس کے چہرے کی داڑھی بالکل سفید ہے اور بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پیشکار داخل ہو کر عقبی دیوار کے مرکزی دروازے تک گیا۔ جس پر گھنٹی لگی ہوئی تھی۔ دروازہ کھول کر اس نے اندر جھانکا۔ پھر جھک کر سلام کیا۔ پھر دروازہ بند کر کے واپس آنے لگا۔ اور لالی کو گھورتا ہوا لکڑی کے بنچوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں سب سے آگے کے بنچ پر دو آدمی اس کی آمد سے پہلے ہی بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی تو تین چار دن کی داڑھی بڑھائے ہوئے تھا۔ دوسرا کلین شیو تھا۔ کلین شیو آدمی کا بدن بھاری تھا۔ اور وہ عمدہ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور کلائی پر طلائی گھڑی بھی تھی۔ جس آدمی کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے کپڑے بھی برے تھے۔ گندے اور کثیف اور دو ایک جگہ سے پھٹے ہوئے۔

لالی نے حیرانی سے عقبی دیوار کے دو چند دروازوں کو دیکھا۔ جو دائیں بائیں آخری دیوار کے دونوں کونوں پر بڑی سختی سے بند تھے۔ جانے ان دروازوں کے پیچھے کیا ہے۔ پھر اُس نے کمرے کے چاروں طرف نظر دوڑائی بالکل دادر کی عدالت کا نقشہ ہے۔ بس وکیلوں کی میز نہیں ہے۔ اتنے میں سیاہ چوغہ اور سیاہ پگڑی پہنے ہوئے پہلے سنتری نے عدالت کے پیشکار سے کہا۔ "بول دو ہم حاضر ہیں۔"

عدالت کے پیشکار نے آہستہ سے سر خم کیا۔ جیسے اُس نے سنتری کی بات ذہن نشین کر لی ہو۔ پھر وہ بائیں طرف چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد لالی نے آہستہ سے پوچھا "کیا یہ وہی جگہ ہے۔؟"

"ہاں بیٹے۔" دوسرے سنتری نے بتایا۔

"مجسٹریٹ کی کچہری۔؟" لالی کی آنکھوں میں گہری حیرت تھی۔

"ہاں بیٹے۔" پہلا سنتری بولا "یہاں خودکشی کرنے والے پیش کئے جاتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا۔ "یہیں تمہارا انصاف ہوگا۔" پھر اُس نے آگے کے بنچ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

لالی اُن دو آدمیوں کے بنچ میں بیٹھ گیا۔ جنہیں پہلے سے اس بنچ پر بیٹھے دیکھا تھا۔ بنچ کے ایک طرف امیر آدمی بیٹھا تھا۔ دائیں طرف۔ اُس کے بائیں وہ پھٹے کپڑوں والا غریب آدمی تھا۔

امیر آدمی نے اپنی ناک کا چشمہ سیدھا کیا۔ غور سے لالی کو دیکھا۔ پھر

اُس سے پوچھا۔ "خودکشی۔" ؟"

لالی نے مضبوطی سے کہا۔ "ہاں۔"

امیر آدمی نے غریب آدمی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "اس نے بھی۔ ؟"

پھر توقف کرتے ہوئے اُس نے اپنا تعارف کرایا۔ "مجھے جہانگیر سیٹھ کہتے ہیں۔"

غریب آدمی بولا۔ "میرا نام بنارسی داس ہے۔" اپنا نام بتا کر غریب

آدمی نے لالی سے پوچھا۔ "آپ کا نام۔ ؟"

لالی نے کہا۔ "تمہیں میرے نام سے کیا۔ ؟"

یہ جواب سُن کر وہ غریب آدمی اور امیر آدمی جو اب تک لالی کے کافی

قریب آگئے تھے۔ تھوڑا سا پرے سرک گئے۔

غریب آدمی نے لالی کو نظر انداز کرکے امیر آدمی کو بتایا۔ "میں نے

تیسری منزل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی۔"

امیر آدمی بولا۔ "میں نے پستول سے۔" پھر اُس نے لالی کی طرف

دیکھ کر پوچھا۔ "اور تم نے۔ ؟"

لالی بولا۔ "چھرے سے۔"

یہ سُن کر وہ دونوں آدمی اُس سے اور پرے سرک گئے۔ لالی نے

تضحیک آمیز لہجے میں امیر آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اگر میرے پاس پستول

خریدنے کی رقم ہوتی۔ تو میں خودکشی نہ کرتا۔"

"خاموش۔" دوسرا سنتری چلایا۔

یکایک پیچھے کا مرکزی دروازہ کھلا۔ اور مجسٹریٹ عدالت میں داخل

ہوا۔ اُس کے داخل ہوتے ہی سب کھڑے ہو گئے۔ پیشکار، سنتری، دونوں خودکشی کرنے والے۔ مگر لالی نہ کھڑا ہوا۔ ڈھٹائی سے اپنے بنچ پر اپنی جگہ پر اُسی طرح بیٹھا رہا۔ البتہ اُس نے اتنا ضرور محسوس کیا۔ کہ مجسٹریٹ کی شخصیت بے حد گمبھیر اور پُر وقار ہے۔ سر پر بہت کم بال ہیں۔ اور جو ہیں وہ بھی سفید ہو چکے ہیں۔

جب مجسٹریٹ اپنی کرسی پر بیٹھ چکا۔ تو سب لوگ قاعدے اور قرینے سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پیشکار اپنی جگہ پر مجسٹریٹ کے قریب مگر اُس سے ذرا پیچھے بیٹھ گیا۔ اور پیش کئے جانے والے ملزموں کے کاغذات دیکھنے لگا۔ بالکل اُسی طرح جس طرح اس دُنیا کی عدالتوں میں ہوتا ہے۔

پیشکار نے رجسٹر کھول کر عدالت کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "کل کے کیس حضور والا۔ نمبر وار رجسٹر میں درج ہیں۔"

مجسٹریٹ نے رجسٹر لے کر اپنی میز پر رکھ لیا۔ اور مطالعہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "نمبر سولہ ہزار چار سو پچیس۔"

پہلے سنتری نے اپنی نوٹ بک دیکھی۔ پھر امیر آدمی سے کہا۔ "اٹھو۔ کٹہرے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ مہربانی کر کے ...."

امیر آدمی بنچ سے اُٹھ کر گیا۔ اور ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا ہو گیا۔ مجسٹریٹ نے سفید بھوؤں کے نیچے تیز چمکتی ہوئی نگاہوں سے اُسے ایک بار سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر بولا۔

"تمہارا نام ـــ ؟"

"جہاگیر ٹھنڈ۔"

"عمر۔۔۔؟"

"بیالیس برس۔"

"شادی شدہ۔۔؟"

"جی ہاں۔"

"اپنی جان کیوں لی۔ ؟"

"قرضہ ہو گیا تھا۔"

"وہاں کیا کرتے تھے۔۔؟"

"میں ایک ایڈوکیٹ تھا۔ یور۔ آنر۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ وہ بعد میں دیکھیں گے۔" مجسٹریٹ بولا۔ ۔۔۔" اس وقت میں تم سے صرف ایک سوال کرتا ہوں۔ کیا تم واپس زمین پر جانا چاہتے ہو۔؟" صرف ایک دفعہ صبح ہونے سے پہلے۔ اگر تم جانا چاہو تو میں اس کی اجازت دے دوں گا۔ یہ تمہارا حق ہے۔ سمجھتے ہو۔"

"ہاں حضور۔" جہاگیر ٹھنڈ حیرت زدہ ہو کر بولا۔" کیونکہ ایڈوکیٹ ہونے کے باوجود اُسے یہ معلوم نہ تھا۔

مجسٹریٹ نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔" جو آدمی اپنی جان لیتا ہے۔ وہ آدمی جلدی میں اضطراب میں کچھ بھول بھی سکتا ہے کوئی اہم کام۔ جو تم کرنا چاہتے تھے اور نہ کر سکے۔ کچھ جو تم نے کیا ہو اُسے مٹانے کے لئے۔ یا کوئی ضروری پیغام۔ جو تم کسی کو دینا چاہتے تھے اور بھول گئے۔ سمجھتے ہو۔؟"

"ہاں حضور۔" بھاگیرتھ بڑی اُمید لہجے میں بولا۔ "میرے قرضوں کے سلسلے میں ...."

مجسٹریٹ نے فوراً قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے قرضوں کی یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم یہاں صرف ان مسائل سے سروکار رکھتے ہیں جن کا تعلق تمہاری رُوح سے ہے۔"

بھاگی رتھ کو کچھ یاد آیا۔ اور وہ فوراً مودّب ہو کر بولا۔ "تو حضور، جب میں چلا تو اُس وقت میرا سب سے چھوٹا لڑکا ابھی اسکول سے لوٹا نہیں تھا۔ اس وقت وہ سو رہا ہوگا۔ صبح دم اُٹھنے سے پہلے میں ہمیشہ اُس کی پیشانی چوم لیا کرتا تھا۔ اس لئے اگر اجازت ملے۔ تو آج رات صبح ہونے سے پہلے۔ میں کسی وقت۔" وہ چُپ ہو گیا۔

مجسٹریٹ نے ایک فائل پر لکھتے ہوئے حکم سنایا۔ اور دوسرے سنتری سے کہا۔ "تم مسٹر بھاگیرتھ رام ایڈوکیٹ کو واپس لے جاؤ گے۔ تاکہ یہ اپنے سوئے ہوئے بچے کا ماتھا چوم سکے۔"

دوسرے سنتری نے امیر آدمی سے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

امیر آدمی نے کٹہرے سے اُترنے سے پیشتر عدالت کو جھک کر سلام کیا۔ پھر مودّب طریقے سے نیچے اُترا۔ اور دوسرے سنتری کے ساتھ عدالت کے کمرے سے باہر چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد عدالت نے پھر رجسٹر دیکھا۔ فائل دیکھی۔ ایک فائل پر کچھ لکھا۔ پھر رجسٹر دیکھ کر بولا۔ "نمبر سولہ ہزار چار سو چھبیس۔"

پہلے سنتری نے اپنی نوٹ بک دیکھ کر لالی کو اشارہ کر کے کہا۔ "کھڑے ہو جاؤ۔"

لالی نے غصّے سے پہلے سنتری کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم نے اُس پہلے آدمی سے تو کہا تھا مہربانی کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" اتنا کہہ کر اور بغیر کسی جواب کا انتظار کئے وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور قدم بڑھا کے چوبی کٹہرے میں کھڑا ہو گیا۔ مجسٹریٹ نے ایک تیز نگاہ اُس پر سر سے پاؤں تک ڈالی۔ اور لالی کو ایسا لگا۔ جیسے بجلی سی کوند گئی۔ مگر وہ ڈرا نہیں۔ ذرا سا جھجکا۔

مجسٹریٹ نے اُس سے پوچھا۔ "تمہارا نام۔؟"

"لالی۔"

"کیا یہی تمہارا نام ہے۔؟"

"لوگ مجھے اسی نام سے جانتے ہیں۔" لالی نے کہا۔

"مجسٹریٹ نے کسی قدر سختی سے کہا۔ "اپنا پورا نام بتاؤ۔؟"

"موتی لال۔"

"عمر۔"

"چوبیس برس۔"

"تم نے دنیا میں کونسا اچھا کام کیا۔؟" ایکا ایک مجسٹریٹ نے سوال کیا۔ لالی بھونچکا رہ گیا۔

مجسٹریٹ نے اُسے چپ دیکھ کر پھر پوچھا۔ "کیوں تم نے اپنی جان لی۔؟"

لالی چپ رہا۔

مجسٹریٹ نے دیکھا لالی کے ہاتھ میں ایک نوکدار چھرا ہے جسے اس نے اپنے سینے میں بھونکا تھا۔ اس نے پہلے سنتری سے کہا۔ "اس کا چھرا اس سے لے لو۔" سنتری نے آگے بڑھ کر لالی کے ہاتھ سے چھرا لے لیا۔ لالی نے کسی طرح کی مزاحمت نہیں کی۔ مجسٹریٹ نے اسے نہایت نرمی سے بتایا۔ "اگر تم زمین پر واپس جانا چاہو گے۔ تو یہ چھرا تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔"

لالی نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔ "کیا میں واپس جا سکتا ہوں۔؟"

"میرے سوال کا جواب دو۔" مجسٹریٹ بولا۔

لالی نے کہا۔ "میں جواب نہیں دے رہا تھا۔ کچھ پوچھ رہا تھا۔"

مجسٹریٹ بولا۔ اس کٹہرے میں کھڑے ہونے والے سوال نہیں پوچھ سکتے۔ صرف جواب دیتے ہیں۔ موتی لال میرے سوال کا جواب دو۔ کیا اس دنیا میں جہاں سے تم آئے ہو تم نے کوئی کام ادھورا چھوڑا ہے۔ جسے تم پورا کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں۔"

"وہ کام کیا ہے۔؟"

"میں اس کم بخت چھنگے کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر دینا چاہتا ہوں۔" لالی غضب ناک لہجے میں بولا۔

"سزا دینا ہمارا کام ہے، تمہارا نہیں۔" مجسٹریٹ نے اسے ڈانٹا۔ "یاد کرو کچھ اور کوئی اور کام جو تم کرنا چاہتے تھے۔"

لالی نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں کچھ

کچھ نہیں سکتا۔ سوائے اس کے کہ جب تک میں یہاں ہوں واپس جانا نہیں چاہتا۔"

مجسٹریٹ نے پیشکار سے کہا "نوٹ کرو۔ اس نے واپس جانے کا حق کھو دیا ہے۔"

لالی سن کر متعجّب نہیں ہوا۔ وہ آہستہ سے سر ہلا کے کٹہرے سے نکل رہا تھا۔ کہ مجسٹریٹ کی آواز آئی۔ "ٹھہرو۔" لالی وہیں کٹہرے میں رُک گیا۔ مجسٹریٹ نے اُس سے کہا۔ "کیا تم جانتے ہو۔ کہ تم اپنی بیوی کو روٹی کپڑے کے بغیر چھوڑ آئے ہو۔"

"ہاں۔"

"کیا تمہیں اس بات پر افسوس نہیں ہے۔"؟

"نہیں۔"

"تمہیں معلوم ہے تمہاری عورت حاملہ ہے۔ اور چھ مہینے کے بعد وہ ایک بچّے کو جنم دے گی۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"اور یہ۔ کہ۔ کہ تمہارے بعد تمہارا بچّہ بھی روٹی کپڑے کے لیے محتاج ہو گا۔ کیا تمہیں اس بات کا افسوس نہیں ہے۔؟"

لالی نے اپنے کندھے ہلائے۔ بولا۔ "میں یہاں ہوں۔ وہ وہاں ہیں۔ مجھے اُن سے کیا۔"

مجسٹریٹ نے اُنگلی اُٹھا کے کہا۔ "تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ سونی لال۔ ہم تمہیں کانچ کی طرح آر پار دیکھ سکتے ہیں۔"

"اگر آپ دیکھ سکتے ہیں۔ تو پھر مجھ سے پوچھتے کیوں ہیں۔" لالی بولا —
"مجھے رہنے دیجئے جیسا میں ہوں۔ آرام سے رہنے دیجئے۔"
مجسٹریٹ نے کہا۔ "آرام کا حق آسانی سے نہیں ملتا ہے۔ اسے بھی اپنی نیک کامی سے ملتا ہے۔"
"مجھے نیند آرہی ہے۔" لالی نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ "میں سو جانا چاہتا ہوں۔"
مجسٹریٹ نے کہا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ضدی اور مغرور ہو۔ مگر ہمارے پاس وقت کی کمی نہیں ہے۔ ہم تا ابد انتظار کر سکتے ہیں۔"
لالی کو کچھ یاد آیا۔ اور یاد آتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے بے حد میٹھے لہجے میں پوچھا۔ "حضور اگر ایک بات پوچھوں۔ سوال نہیں۔ التجا ہے۔ بس اتنا بتا دو۔ لڑکا ہوگا کہ لڑکی۔؟"
"تم خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو گے۔" مجسٹریٹ نے مسکرا کر کہا۔ لالی کے چہرے پر خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ بولا۔ "سچ۔؟" میں اسے دیکھ سکوں گا۔"
مجسٹریٹ بولا۔ "جب تم اسے دیکھو گے۔ اس وقت اس کی عمر ایک بچے کی نہیں ہو گی۔ مگر ابھی ہم اس منزل تک نہیں پہنچے ہیں۔"
"میں اسے دیکھوں گا۔" لالی نے پھر خوشی سے دہرایا۔ جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو۔"
مجسٹریٹ نے اپنے لہجے میں سختی لا کر دوبارہ اس سے کہا۔ "سنو۔

موتی لال۔ تم سے دوبارہ پوچھا جاتا ہے۔ کیا تمہیں اپنی بیوی اور بچے کو اس طرح بے سہارا چھوڑ دینے کا افسوس نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس بات کا مطلق ملول نہیں ہے۔ کہ تم اُن کے لئے ایک بُرے شوہر۔ اور ایک بُرے باپ ثابت ہوئے۔ ؟"

"ایک بُرا شوہر۔ ؟" لالی نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"ایک بُرا باپ۔ ؟"

"ہاں۔ وہ بھی"

لالی ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ "میں کیا کرتا مجھے کہیں کام نہ ملا۔ اور میں شوبھا کو ہر وقت اس طرح۔" وہ رُک گیا۔ اس طرح۔" وہ پھر رُک گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اُسے زبان پر نہ لا سکا۔ "اس کو اس طرح دیکھتے ہوئے۔" وہ ایکا ایک چپ ہو گیا۔ مجسٹریٹ نے اُس کا فقرہ پورا کیا۔ "اس طرح روتے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ تم یہ بات کہتے ہوئے ہچکچاتے کیوں ہو۔ ؟" مجسٹریٹ کی تیز نگاہیں اُس کے چہرے پر تھیں۔ "تم اُسے روتے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس بات کے کہنے میں کیا شرم ہے۔ تم اُس سے محبت کرتے تھے۔ ؟"

لالی بولا "اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ اس لئے۔ اس لئے کبھی۔ اُس سے بُرا سلوک بھی کر بیٹھتا تھا۔ میں واپس کارنیوال میں اُس بڈھے کے پاس جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور پھر جھمکا آ گیا۔

اور ایک نئی زندگی کی باتیں کرنے لگا۔ آسام جانے کی اور جاتے کیا کیا۔ اور جانے یہ سب کیسے ہو گیا۔ پولیس اور وہ بہری داسس۔ اور اُس کے ہاتھ میں پستول اور۔ میں تاش میں بہت ہار چکا تھا۔ جھگا بھاگ گیا تھا۔ اور میں جیل جانا نہیں چاہتا تھا۔" لالی نے ایک دم غصّے سے بھڑک کر مجسٹریٹ کی طرف دیکھا اور میں کیا کرتا۔ "تو میں کیا کرتا۔؟ کیا کرتا میں۔؟ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ تو کیا میں چوری کرتا۔؟"

"ہاں۔" مجسٹریٹ نے بڑی مضبوطی سے کہا۔ تم چوری کر لیتے۔

لالی حیرت زدہ رہ گیا۔ چند لمحے بھونچکا ہو کر مجسٹریٹ کو تاکتا رہا۔ کہیں مجسٹریٹ اُس سے مذاق تو نہیں کر رہا۔ مگر اُس کے سنجیدہ چہرے پر طنز و مذاق کا سایہ تک نہ تھا۔ پھر بھی لالی کی حیرت دور نہ ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے سر ہلا کے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا۔ نیچے کی پولیس نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی۔

"تم نے اُس کم سن معصوم کمزور لڑکی کو مارا پیٹا۔ کیونکہ وہ تم سے محبت کرتی تھی۔ ایسا کیوں کیا تم نے۔؟"

"ہم ہر روز لڑتے جھگڑتے تھے۔ وہ یہ کہتی۔ میں وہ کہتا۔ بات میں سے بات نکل کر بڑھتی جاتی تھی۔ جھگڑا شروع ہو جاتا۔ کیوں کہ وہ سچی باتیں کہتی تھی۔ اور۔ اور جب میں اُس کی سچی باتوں کا جواب نہ دے پاتا تو اُسے پیٹنے لگتا تھا۔

"تمہیں اُس کا افسوس ہے۔؟" مجسٹریٹ نے پھر پوچھا۔

لالی کا منہ کھلا۔ وہ کہنا چاہتا تھا۔ مگر افسوس اور پشیمانی کا ایک تلخ

گولا بن کر اُس کے حلق میں اٹک گیا۔ اُس نے تھوک نگلا۔ آہستہ سے بولنے لگا۔
"جب میں اُس کی نرم مخمل جیسی گردن پر ہاتھ رکھتا تھا۔ تو۔ تو۔ اُس سمے تم
کہہ سکتے ہو۔ کہ۔ اُس سمے۔ میں۔" یکایک وہ چپ ہو گیا۔ مضطرب، بےچین
اور پشیمان سا دکھائی دینے لگا۔ مگر افسوس کا لفظ پھر بھی اُس کے منہ سے نہ نکل
سکا۔ مجسٹریٹ نے اصرار کر کے پوچھا۔ "تمہیں افسوس ہے۔؟"
مجسٹریٹ کے اس طرح زور دے کر اصرار پر لالی کا چہرہ ایک دم بدل گیا۔
غصے سے بھڑک کر بولا۔ "نہیں مجھے افسوس نہیں ہے۔"
مجسٹریٹ نے سر ہلا کے کہا۔ "لالی۔ لالی۔ تمہاری مدد کرنا بہت مشکل ہے۔"
"مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔"
مجسٹریٹ نے فائل میں کچھ لکھا۔ پھر قلم روک دیا۔ نگاہیں اوپر اٹھائیں چند
لمحے غور سے، وہ لالی کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔
"تمہیں بیڈر روڈ پر ایک کیر ٹیکر کی ملازمت مل رہی تھی۔" پھر رک کر
مجسٹریٹ نے پیشکار سے پوچھا۔ "تفصیل کہاں درج ہے۔"
پیشکار نے کہا۔ "چھوٹے رجسٹر میں درج ہے حضور۔ یہاں دیکھئے۔"
پیشکار نے چھوٹا رجسٹر مجسٹریٹ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ مجسٹریٹ نے ڈھونڈ کر
تفصیل نکالی۔ اور بلند آواز میں پڑھنے لگا۔ "خالی مکان۔ عمدہ فرنیچر۔ ڈبل باتھ
روم۔ ایک سَو روپیہ پگار تمہیں۔ ایک سَو شوبھا کے لئے۔ تم نے یہ نوکری کیوں
نہیں کر لی۔؟"
"کیوں کہ میں کیر ٹیکر نہیں ہوں۔" لالی بولا۔ "میں کسی مکان کی رکھوالی نہیں کرتا۔ مکان

کی رکھوالی کرنے کے لئے کسی کو رکھوالا بن جانا پڑتا ہے۔ وہ بن سکا نہیں ہوں۔"

"کیوں نہیں؟" مجسٹریٹ نے اصرار کیا۔

"کیونکہ۔ کیونکہ"۔ لالی نے بتانے کی کوشش کی۔ پھر مجبور ہو کر مجسٹریٹ کی طرف عجیب نگاہوں سے دیکھ کر بولا "اسی لئے تو سنتوریہ میں مر گیا۔"

"یہ غلط ہے۔" مجسٹریٹ نے کہا۔ "تم نے اس لئے جان دی کہ تم سنتوبھا سے پیار کرتے تھے۔ اور اُس بچے سے جو اُس کے پیٹ میں ہے۔"

"نہیں۔"

"میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو۔"

لالی نے مجسٹریٹ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ بجلی سی کوندھ گئی۔ اس کے سارے بدن میں شرارے ناچنے لگے۔ پھر جیسے بلب سے ہر چیز روشن ہو کر اُڑ گئی۔ پھر کچھ نہ رہا۔ چاروں طرف اندھیرا اور خلا۔ لالی کا جی رونے کو چاہتا تھا۔ ہتھیار ڈال دینے کو۔ اپنے آپ کو کھو دینے کو۔ مجسٹریٹ کی متبرک داڑھی کو چھو کر اُس کے پاؤں میں گر جانے کو۔ ایک لمبی سانس لے کر ابدی نیند سو جانے کو۔ ایک لمحے کے لئے اُسے یہ تمام خیال آئے۔ اُس کا حلق دُکھنے لگا۔ مگر اُس کی گردن تن گئی۔ اُس کی شخصیت نے مدافعت کرنے کے لئے غرور کے ایک کڑے خول میں پناہ لے کر زور سے کہا "نہیں۔"

اور پہلی بار لالی نے مجسٹریٹ کی آنکھوں میں غصّے کی ایک جھلک دیکھی۔ مگر مجسٹریٹ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اور بدستور اُسی گمبھیر سنجیدہ آواز میں کہا۔ "لالی۔ لالی۔ اگر ہمیں صبر کی تلقین نہ دی گئی ہوتی۔" وہ کچھ عرصے تک لالی کو گھورتا رہا۔ پھر اُس نے اُس کی فائل بند کر دی۔

اور کہنے لگا۔ "جاؤ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔" پھر رجسٹر دیکھ کے اگلے ملزم کے لئے پکارا۔

"سولہ ہزار چار سو ستائیس۔" پہلے سنتری نے نوٹ بک دیکھ کر غریب آدمی سے کہا۔ "بنارسی داس وہاں کھڑے ہو جاؤ۔"

بنارسی داس بنچ سے اُٹھا۔ اور کٹہرے میں کھڑا ہو گیا۔ مجسٹریٹ نے ایک لمحے کی نگاہ میں اُس کا بھرپور جائزہ لے کر کہا۔ "تم آج ہی نکلے ہو۔" مجسٹریٹ نے بائیں دروازے کی جانب ایک معنی خیز اشارہ کیا۔ جسے لالی اُس وقت نہ سمجھ سکا۔ مگر اُس کی نگاہیں چند لمحوں کے لئے بائیں دروازے کے آہنی بولٹ پر جم گئیں۔

بنارسی داس نے اقبال کیا۔ "جی حضور۔ آج ہی۔"

"کتنے دن وہاں رہے۔؟" مجسٹریٹ کا اشارہ بائیں دروازے کی جانب تھا۔

"دس برس۔"

مجسٹریٹ نے پہلے سنتری کی طرف دیکھ کے کہا۔ "تم اس کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔؟"

"ہاں حضور۔"

مجسٹریٹ نے قلم سیاہی میں ڈبو دیا۔ بولا۔ "بنارسی داس۔ دس برس نرک کی آگ میں جل کر تم اپنی آتما کے پاک و صاف ہونے کا ثبوت دینے کے لئے پھر سے دھرتی پر بھیجے گئے تھے۔ ایک دن کیلئے تو بتاؤ تم نے وہاں کونسا نیک کام کیا۔؟"

بنارسی داس بولا۔ "حضور جب میں اپنے گاؤں پہنچا۔ اور میں نے اپنے گھر کی کھڑکی سے جھانک کے دیکھا۔ تو میرے بیٹیم بچے نیچے زمین پر سو رہے تھے۔ مگر اس سمے بارش ہو رہی تھی۔ اور چھپت کا چھپر ٹپک رہا تھا۔ اس لئے میں خاموشی

سے چھت پر چڑھ گیا۔ اور میں نے اپنے گھر کا چھپّر ٹھیک کر دیا۔ تاکہ میرے بچّے برسات میں بھیگ کر بیمار نہ ہو جائیں۔ اور آرام سے سوتے رہیں۔"

مجسٹریٹ نے پیہلے سنتری سے پوچھا "کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

"جی ہاں" پیہلے سنتری نے اسبات میں سر ہلایا۔

مجسٹریٹ کے چہرے پر نورانی مسرّت کی لہریں دوڑ گئیں۔ بولا۔ "بنارسی داس تم نے واقعی نیک کام کیا ہے۔ اور جو کام تم نے کیا ہے۔ وہ کام بچوں کی کتابوں میں سنہری حروف سے لکھا جائیگا۔ پھر بائیں طرف کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "جاؤ اب تم ادھر جا سکتے ہو۔ ابدی بہاریں تمہارا انتظار کرتی ہیں۔"

بنارسی داس نے جھک کر سلام کیا۔ کٹہرے سے باہر نکلا۔ تو پیہلے سنتری نے اُسے جھک کے سلام کیا۔ پھر وہ بنارسی داس کو بے حد مہذب اور احترام کے ساتھ بائیں دروازے کی طرف لے گیا۔

مجسٹریٹ لالی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "تم نے سُن لیا۔"

"ہاں سُن لیا۔"

"جب یہ آدمی پہلی بار ہمارے سامنے پیش ہوا تھا۔ تو تمہاری طرح منڈی بیڈھب تھا۔ مگر اب یہ آگ میں تپ کر کندن ہو گیا ہے۔ اس نے بہت اچھا کام کیا ہے۔

"کیا کیا ہے اس نے۔" لالی تیز لہجے میں کہنے لگا۔ "کون سا ایسا تیر مارا ہے۔" "کوئی بھی چھپّر بنانے والا یہ کام کر سکتا ہے۔ جناب اس سے کہیں مشکل کام ہے کارنیوال کے باہر مجمع باز بنکر ٹکٹ بیچنا۔

مجسٹریٹ نے چند لمحوں لالی کو غور سے دیکھا۔ پھر دو تین بار اُس نے اپنی سفید داڑھی کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ پھر کڑک کے مضبوط لہجے میں کہنے لگا۔ "لالی ہم تم کو بارہ

سال تک نارِ جہنم کی سزا دیتے ہیں۔ اُس وقت تک ہم اُمید کرتے ہیں۔ تمہارا یہ حد سے بڑھا ہوا غرور اور بے حیائی جہنم کی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گی۔ اُس وقت تک تمہاری بیٹی بھی بارہ سال کی ہو جائے گی۔"

"میری بیٹی ۔۔؟" لالی چونک کر بولا۔ "تو کیا وہ بیٹی ہو گی ۔؟"

"اور جب تمہاری بیٹی بارہ سال کی عمر کو پہنچے گی۔" مجسٹریٹ لالی کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سُناتا گیا۔ لالی نے چند ثانیوں کے لئے اپنے چہرے پر ہات رکھ لیا۔ مجسٹریٹ کہہ رہا تھا۔ "اور جب تمہاری بیٹی بارہ سال کی عمر کو پہنچے گی۔ تو تمہیں ایک دن کے لئے زمین پر بھیجا جائے گا۔

"مجھے ۔"

"ہاں تمہیں۔" "تم نے پُرانے قصّے کہانیوں میں پڑھا ہوگا کہ مُردے زندہ ہو کر زمین پر آتے ہیں۔"

"میں نے کبھی اُس پر یقین نہیں کیا تھا۔"

"وہ سب سچ ہیں۔" مجسٹریٹ بولا۔ "تم ایک دن کے لئے واپس نیچے دھرتی پر جاؤ گے۔ اور یہ ثابت کرو گے۔ کہ تمہاری رُوح پاک صاف اور پوِتر ہو چکی ہے۔"

لالی نے پوچھا۔ "گویا مجھے پھر بتانا ہوگا۔ کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ جیسے۔ جیسے موٹر ڈرائیور کو کام ملنے سے پہلے موٹر چلا کے دکھانا پڑتا ہے۔"

"ہاں۔" مجسٹریٹ بولا۔ "اُسی طرح تمہارا امتحان بھی لیا جائے گا۔"

"تو کیا مجھے بتایا جائے گا۔ مجھے وہاں کیا کرنا ہے ۔؟"

"نہیں ۔"

"تو پھر مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ۔۔؟" لالی چپ ہو گیا مگر اس کی نگاہوں میں ایک سوال تھا۔
مجسٹریٹ بولا۔ "وہ تم خود فیصلہ کرو گے۔ بارہ برس نرک کی آگ میں جلتے ہوئے وہ فیصلہ تم خود کرو گے۔ اور اگر اُس دن تم نے اپنی اولاد کے لئے کوئی ایسا شاندار عمدہ قابلِ یادگار کام کیا۔ تو۔" مجسٹریٹ چُپ ہو گیا۔
"تو۔" لالی نے پوچھا۔
یکایک مجسٹریٹ کھڑا ہو گیا۔ سب کھڑے ہو گئے۔ احترام سے سب کے سر جھک گیا گئے۔
لالی نے آہستہ سے دہرایا۔ "تو۔۔؟"
مجسٹریٹ نے کہا۔ "اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں لالی۔ بارہ برس اور ایک دن بعد تم پھر میرے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ اور جب تم زمین سے ہو کر آؤ گے تو میں پھر تم سے یہی سوال پوچھوں گا۔ اس لئے غور کرو اور سوچو۔ تم اپنی بچی کے لئے کون سا نیک کام کر سکتے ہو۔ تمہارے اُس فیصلے پر اس بات کا دارومدار ہے۔ کہ تمہارے لئے بارہ برس اور ایک دن بعد کون سا دروازہ کھولا جائے گا۔
اب جاؤ لالی۔" مجسٹریٹ عدالت کے چبوترے سے اُتر کر عقب کے مرکزی دروازے کے اندر چلا گیا۔ جس پر گھنٹی لگی ہوئی تھی۔
سنتری نے لالی سے کہا۔ "آؤ میرے بیٹے چلو۔" سنتری لالی کو دائیں دروازے کی جانب لے چلا۔ پیشکار لالی کے سامنے سے گزر گیا۔ وہ بائیں دروازے کی جانب جا رہا تھا۔ کہ لالی نے اُسے روک کر کہا۔ "سنو پیشکار۔"
پیشکار بائیں جانب جاتا جاتا رک گیا۔ "کیا ہے؟" پیشکار نے پوچھا۔
"تمہارے پاس ایک سگرٹ ہو گی۔؟" لالی بولا۔

پنیسکار نے اُسے گھور کر دیکھا۔ پھر پلٹ کر لالی کے پاس آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کے اُس نے ایک سگریٹ نکال کے لالی کو دے دی۔ اور پھر اپنے راستے پر چلا گیا۔

لالی اب پہلے سنتری کے ساتھ دائیں دروازے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ سنتری نے اُسے رُک جانے کا اشارہ کیا۔ اور فوراً آگے بڑھ کر وہ دائیں دروازے کے آہنی پٹ کھولنے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک ایسی تیز گلابی روشنی کی پھوار لالی پر پڑی۔ کہ وہ اُس کی شعلہ باری سے چوندھیا گیا۔ لمبے لمبے شعلوں کی لپکتی ہوئی شعاعیں دروازے سے باہر نکلنے لگیں۔

لالی لڑکھڑا کے ایک قدم پیچھے ہٹا۔

پھر اس کا سر جھک گیا۔

اور وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے ان شعلوں کے اندر چلا گیا۔

شوبھا نے بوری ولی اسٹیشن کے قریب پھول والے کی دوکان سے ایک ہار خریدا۔ آج اُس کے شوہر کو مرے ہوئے بارہ برس گزر چکے تھے۔ یوں تو وہ اپنے گھر میں کمرے کے اندر لگی ہوئی اُس کی تصویر کو ہار تو چڑھاتی ہی ہے۔ مگر برسی پر تو ضرور ہی نیا ہار خرید کر تصویر کے گرد ٹانگتی ہے۔

آج لالی کی بارھویں برسی ہے۔ آج اُس کی اپنی بیٹی رتنا بھی بارہ برس کی ہو گئی۔ رتنا نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ مگر وہ اپنے باپ کو بہت یاد کرتی ہے۔ اور رتنا کے دل میں اپنے باپ کی وہی تصویر ہے۔ وہی شخصیت ہے جو شوبھا نے بچپن ہی سے اُس کے دل میں جاگزیں کی ہے۔ شوبھا نے ہار والے کی دوکان سے ہار لے کر اُسے کیلے کے پتے میں لپیٹ کر آگے نکل کر آم والے کی دوکان سے دو آم خریدے۔ شوبھا کو آم بہت پسند ہیں۔ آم ہرے رنگ کی پلاسٹک کی چھوٹی سی ٹوکری میں ڈال کے شوبھا گھر کی جانب چل دی۔ جو اسٹیشن کوئی ایک میل کے فاصلے پر بوری ولی مقامات میں تھا۔ حالانکہ بوری ولی خود بمبئی کے مقامات میں سے ہے مگر یہ تھوڑی سی جگہ ولیم کبرال نے شوبھا کو خرید

کردے دی تھی۔ اور وہیں پر شوبھا نے اپنا چھپر نما گھر بنالیا تھا۔ گھر تو ایسا ہی تھا جیسے اکثر سلم ایریا میں بنایا جاتا ہے۔ مگر یہ چھپر نما گھر ذرا زیادہ کشادہ اور بڑا تھا۔ گھر کے آگے دالان تھا۔ اور دالان کے آگے کھلی زمین تھی جس کے گرد شوبھا نے لکڑی کا جنگلا لگا دیا تھا۔ اور اس جنگلے کے بیچ میں ایک پرانا چوبی دروازہ سا تھا۔ جیسے اکثر کھیتوں کی باڑھ کے بیچ میں ہوتا ہے۔ اور یہ دروازہ اکثر کھلا رہتا تھا۔ اور اندر سے ایک ہار سے سے آہنی ہک سے بند ہو جاتا تھا۔

چھپر کے آگے جو تھوڑی سی زمین تھی اُس پر کہیں کہیں پھولوں کے گملے بھی رکھے ہوئے تھے۔ چھپر کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے یہ چھپر ایسا ہی ہے۔ جیسے دوسرے غریب آدمیوں کا ہوتا ہے۔ مگر غریبی کے باوجود صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جب شوبھا گھر کے باہر پہنچی۔ تو اُس وقت رتنا کہیں گھر کے اندر تھی جنگلے کے اندر دروازے کے قریب بائیں طرف ایک بڑا سا پتھر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے زمین ہموار کرتے وقت کسی اُس پاس کے ٹیلے سے نکلا ہوگا۔ مگر اُسے بھاری اور چوڑا سمجھ کر وہیں رکھ دیا گیا ہے۔ اور اُسے اپنی جگہ سے ہلانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے اس پتھر سے کچھ فاصلے پر دو بڑے بڑے لکڑی کے اسٹول ہیں۔ ایک طرف ایک پرانی میز جس کے پائے ہلتے ہیں۔ اس میز کے قریب دو پرانی زنگ آلود کرسیوں پر ولیم اور رسنا نہایت عمدہ لباس پہنے کسی قدر کبیدہ خاطر بیٹھے تھے۔ کیونکہ وہ کافی دیر سے شوبھا کا انتظار کر رہے تھے۔

شوبھا نے لکڑی کے اسٹولوں کے سامنے رکھی پاؤں سے چلنے والی سینے کی مشینوں کی طرف نظر دوڑائی۔ دونوں مشینوں پر پردوں کے لئے لمبے لمبے پھولدار کپڑے چڑھے تھے۔ اور زمین تک ایک لمبی چٹائی پر لٹک رہے تھے۔ اُن کی لمبان سے شوبھا نے اندازہ کیا۔ کہ اُس کے جانے کے بعد رتنا نے اُن پردوں کی سلائی کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

غالبًا یہ دونوں اُس کے بازار جاتے ہی آ گئے ہونگے۔

رسنا کا بے حد عمدہ لباس دیکھ کر ایکا ایک شوبھا کو یاد آیا آج سے بارہ برس پہلے رسنا کا لباس اور طور طریقے۔ رنگ ڈھنگ۔ رسنا اس عرصے میں کتنی مہذب ہو گئی ہے۔ اور اس کا شوہر بھی کس قدر بھاری بھر کم ہو گیا ہے۔ چہروں پر کیسی طمانیت اور فراغت برس رہی ہے۔

اتنے میں رتنا دونوں ہاتھوں میں دو چھوٹی سی پلیٹوں پر کچھ کھانے کا سامان لے کر باہر نکل آئی۔ ماں کو دیکھ کر خوشی سے کھل کر مسکرا دی۔ برامدے سے باہر آتے ہوئے اُسے دیکھ کر شوبھا نے سوچا۔ آج میری رتنا۔۔۔ بارہ برس کی ہو گئی۔ رتنا نے صاف ستھرا فراک پہن رکھا ہے۔

مگر وہ بات کہاں جو رسنا کے بچوں کو نصیب ہے۔ اگر لالی زندہ ہوتا تو۔ مگر شوبھا نے لکڑی کے جنگلے کا دروازہ کھول دیا۔ یاد کرنے سے کیا فائدہ۔ شوبھا کو دیکھ کر ولیم اور رسنا دونوں اپنی جگہ سے اُٹھے۔ رتنا نے دونوں پلیٹیں۔ چوڑے آلو کے قتلے اور دال موٹ سے بھری ہوئی ولیم اور رسنا کے سامنے رکھ دیں۔ اور شوبھا سے بولی" ماں انکل اور آنٹی دونوں جا رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے روکا۔"

رسنا نے چوڑا چپس دیکھ کر دل ہی دل میں بُرا سا مُنہ بنایا۔ مگر اُوپر سے کچھ کہا نہیں انکار سے سر ہلا کے مگر بڑی شگفتہ مزاجی سے بولی" نہیں رتنا اس وقت ہم کچھ کھا نہیں سکتے۔ ناشتہ کر کے آئے تھے۔ بالکل جگہ نہیں ہے۔۔۔۔"

پھر رسنا شوبھا کے گلے سے لگ کر بولی۔" تم آ گئیں مائی ڈیر۔ بس تم ہی کو دیکھنے کے لئے ہم رُک گئے تھے۔"

شوبھا بولی "تو اب کھانا کھا کے جاؤ۔"

رسنا نے کلائی پر کلائی گھڑی دیکھ کر کہا۔ "بہت دیر ہو چکی ہے مائی ڈیر۔ ولیم نے باندرے میں ایک نیا رستوران کھولا ہے۔ آرام کا نئے۔ اس وقت ہمیں وہاں جانا ہوگا۔"

"جانا ہے۔ مگر سارے دن کے لئے تو نہیں جانا ہے۔"

"نہیں کافی وقت یہاں تمہارے انتظار میں گزر گیا۔ اب نہ روکو۔ پھر کبھی آئیں گے۔ اب ہمیں جانے دو۔" پھر ولیم کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔ ان کو حساب کتاب دیکھنا ہوگا۔

"ولیم تم نے۔؟" شوبھا نے پوچھا۔

رسنا بولی۔ "میری قسمت میں بھی کہاں فرصت ہے۔ یہ حساب کتاب دیکھیں گے۔ میں خزانچی کے قریب بیٹھ کر اخبار پڑھوں گی۔ اور ویٹر لوگوں پر نگاہ رکھوں گی۔ یہ ولیم کا چوتھا اور سب سے عمدہ رستوران ہے۔ اس لئے وہاں سب سے زیادہ وقت دینا پڑتا ہے۔"

"اور بچے۔؟" "وہ آرے کالونی گھومنے گئے ہیں۔ پکنک پر۔"

"تم ساتھ نہیں گئیں۔" "ارے رے رے بچوں کی دیکھ بھال مجھ سے کہاں ہو سکتی ہے۔ بڑا لڑکا سینٹ بلیزز میں پڑھتا ہے۔ اُس کے لئے ایک ٹیوٹر رکھ دیا ہے۔ لڑکی صوفایا میں پڑھتی ہے۔ اُس کی دیکھ بھال ایک گورنس کرتی ہے۔ وہی اس وقت ساتھ گئی ہے۔"

رتنا رسنا سے لپٹ کر بولی "رک جاؤ آنٹی ہمارے سنگ کھانا کھا لو۔"

رسنا نے شفقت بھرے لہجے میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "آج نہیں ہو سکتا۔ (my dear child) پھر کسی دن سہی" پھر اپنے خاوند کی طرف مڑ کر بولی "بائی ڈیر اب چل دینا چاہیئے۔" ولیم مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ اور شوبھا اور رتنا دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہنے لگا۔ "گڈ بائی۔"

"گڈ بائی۔" رتنا اور شوبھا نے کہا۔ دونوں ماں بیٹی چلتے چلتے بنگلے تک آئیں۔ رتنا نے آگے بڑھ کر پچھواڑے والا دروازہ کھولا۔ جب ولیم اور رسنا بنگلے سے باہر نکل گئے۔ تو شوبھا نے ولیم سے پوچھا "کار کہاں پارک کی ہے۔؟"

"باہر سڑک کے ناکے پر۔" ولیم نے جواب دیا۔ پھر رسنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پگ ڈنڈی پر چلنے لگا۔

شوبھا اور رتنا دونوں بنگلے سے کھڑی کھڑی اُس وقت تک ہاتھ ہلاتی رہیں جب تک وہ دونوں انہیں نظر آتے رہے جب وہ دونوں غائب ہو گئے۔ تو رتنا اور شوبھا دونوں بنگلے سے مڑنے لگیں۔ مڑتے مڑتے رتنا بولی "آنٹی اور انکل کتنے اچھے ہیں۔" شوبھا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا "بہت اچھے ہیں۔" پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "یہ دونوں نہ ہوتے تو میں ساری عمر ڈبے بنانے والی فیکٹری میں کام کرتی رہتی۔ اب ہمارے پاس دو سینے کی مشینیں ہیں۔ اور اُن کے چاروں ہوٹلوں کا کام ہمیں مل جاتا ہے۔ سینے کے لئے پردے اور میز پوش۔ چادریں اور نیپ کین جھاڑن تک سینے کو مل جاتے ہیں۔

رتنا جھکی جھکی آنکھوں سے سینے کی مشینوں میں لگے ہوئے لمبے لمبے پردوں کو دیکھتی ہوئی برآمدے کی طرف جانے لگی۔ شوبھا بھی ساتھ ہی تھی۔ وہ

کہہ رہی تھی۔ "پھر تمہارے انکل دوسری جگہوں سے بھی کام دلواتے رہتے ہیں۔ نہیں تو تمہاری غریب بیوہ ماں کا کام کیسے چلتا۔ اور کیونکر میں تمہیں اسکول میں پڑھا سکتی۔"

شوبھا نے پھر ایک لمبی سانس لی۔ اور اپنی بیٹی سے بولی۔ "آؤ اب کھانا کھا لیں۔" دونوں ماں بیٹی چھپر کے اندر جا کر کھانا نکال کے لائیں۔ اور باہر پڑی ہوئی پرانی میز کے گرد وہی زنگ آلود کرسیاں جن پر ولیم اور رسنا بیٹھے ہوئے تھے۔ گھسیٹ کر میز کے قریب رکھ کے کھانا کھانے لگیں۔ کھانا کھاتے سمے رتنا کا چہرہ لکڑی کے جنگلے کے سامنے تھا۔ اور شوبھا کی پیٹھ جنگلے کی طرف تھی۔ اور حالانکہ کھانا کھاتے سمے رتنا کا چہرہ لکڑی کے جنگلے کی طرف تھا۔ وہ کھانا کھانے میں اس قدر مصروف تھی۔ کہ اس نے ان دو سیاہ چوغے پہنے ہوئے لکڑیوں والے سنتریوں کو نہیں دیکھا۔ جو اس کے سامنے سے لکڑی کے جنگلے کے باہر سے ادھر غور سے دیکھتے ہوئے گزر گئے۔ اور لکڑی کے جنگلے کے قریب چلتا ہوا اس جنگلے کے چھوٹے سے چوبی گیٹ کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

یہ وہی لالی تھا۔ مگر اب چہرے پر چھوٹی سی چھدری داڑھی تھی۔ اور رنگ بھی بے حد بجھا ہوا تھا۔ اور چہرہ ستا ہوا اور زرد رو۔ کپڑے وہی پہنے تھا۔ جو اس نے بارہ سال پہلے مرنے کے وقت پہنے ہوئے تھے۔ مگر اب ان کپڑوں کا رنگ روپ نکل چکا تھا۔ بے حد میلے کچیلے اور بوسیدہ دکھائی دیتے تھے۔

لالی نے رتنا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "رام رام۔"

"رتنا بولی۔" رام رام۔"

شوبھا نے جس کی پیٹھ لالی کی طرف تھی۔ مُڑے بغیر رتنا سے کہا۔ "پھر کوئی بھکاری آیا ہے۔؟" "کیا مانگتا ہے۔؟"

"کچھ نہیں۔" لالی بولا۔

شوبھا نے ذرا سا مُڑ کر کہا۔ تاکہ بھکاری اس کی آواز اچھی طرح سے سُن سکے۔ "دیکھو۔ ہم پیسے نہیں دے سکتے۔ ہم خود غریب ہیں۔ پھر وہ اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر۔ "پر رتنا تم اسے ایک روٹی دے دو۔ اور اس پر تھوڑی سی آلو کی بھاجی رکھ دو۔"

"بہت اچھا ماں۔" رتنا نے کہا۔ اور کھانا کھاتے کھاتے اُٹھ کر دالان سے گزر کر چھپّر کے اندر گئی۔ چلتے چلتے لالی اُسے بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ اتنے میں شوبھا نے مڑ کر اُس سے پوچھا۔ "بہت تھکے ہوئے لگتے ہو۔ کیا بیمار ہو۔ یا دُور سے آئے ہو۔؟"

"بہت دُور سے آیا ہوں۔"

"تو دیکھو۔" شوبھا نے بہت ہی نرمی سے کہا۔ "یہ لکڑی کا گیٹ کھول کر جنگلے کے اندر آ جاؤ۔ اور اس پتھر پر بیٹھ کر دم لے لو۔" شوبھا نے میز کے قریب بڑے پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

لالی گیٹ کا چوبی ہک کھول کر اندر آ گیا۔ اور چوڑے چکلے پتھر پر تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بڑے سے لیکن میلے کچیلے رومال میں بندھی ہوئی کوئی چیز تھی۔ جسے اُس نے بڑی احتیاط سے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اتنے میں رتنا چھپّر سے نکل کر باہر دالان میں آ گئی۔ لالی کی آنکھیں اُسی پر لگی تھیں۔ رتنا کے آتے آتے اُس نے شوبھا سے پوچھا۔ "یہ تمہاری لڑکی ہے۔؟"

"ہاں ۔"

اسنتے میں رتنا اُس کے بہت قریب آگئی ۔ جھک کر اس نے لالی کو روٹی دی ۔ اور اُس پر آلو کی بھاجی رکھ دی ۔ لالی نے دونوں ہات بڑھا کر روٹی لے لی ۔ پھر اُس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا ۔ "تم اس کی لڑکی ہو ۔ ؟"

"ہاں ۔"

"کیا نام ہے تمہارا ۔"

"رتنا ۔"

"بہت سندر نام ہے ۔" کہہ کر لالی نے بڑے پیار سے اُس کے ہات کو چھو لیا ۔ رتنا نے گھبرا کر ایک دم اپنا ہات پیچھے ہٹا لیا ۔ بولی ۔ "ماں ۔ !"

"کیا ہے ۔"

"اس بھکاری نے میرے ہاتھ کو چھو لیا ۔"

"غلطی سے چھو لیا ہوگا ۔ بیٹی ۔" شوبھا بولی ۔ "میری بچی اس غریب بھکاری کو اپنے پیٹ بھرنے ہی سے فرصت کہاں ملتی ہے ۔ جو یہ کچھ سوچے گا ۔" پھر لالی کی طرف دیکھ کر بولی ۔ جس کا چہرہ اس وقت روٹی بھاجی پر جھکا ہوا تھا ۔ اور اُس کے ہات کی انگلیاں کانپ رہی تھیں ۔ "جلدی سے کھانا کھالو ۔" لالی نے روٹی سے ایک لقمہ توڑا ۔ مُنہ میں ڈال کے کھاتے کھاتے بولا ۔ "تم کپڑے سیتی ہو ۔ ؟"

"ہاں ۔"

"اور یہ تمہاری لڑکی ۔"

"یہ بھی یہی کام کرتی ہے ۔"

"اور تمہارا گھر والا۔"

"میرا گھر والا نہیں ہے۔" کھانا نے کھانے نے شوبھا کا ہاتھ رک گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے گھٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ودھوا ہوں۔"

"ودھوا۔" لالی نے پوچھا۔

"ہاں۔" شوبھا نے جواب دیا۔

لالی نے دوسرا لقمہ منہ میں ڈالا۔ چبا تے چباتے بولا۔ "تیرے گھر والے کو گزرے ہوئے بہت ٹائم ہو گیا۔؟"

شوبھا چپ رہی۔

لالی نے پھر پوچھا۔ "تیرے گھر والے کو گزرے ہوئے۔"

"ہاں بہت ٹائم ہو گیا۔" شوبھا نے آہستہ سے کہا۔

"کیا بیماری ہوئی تھی اُسے۔؟"

"کچھ پتہ نہیں۔" اب کے رتنا بول پڑی جلدی سے۔ "میرا باپ اُدھر آسام گوہاٹی میں کام کرنے گیا تھا۔ پھر اُدھر ہسپتال میں مر گیا۔ . . . میں نے تو اپنے باپ کی شکل بھی نہیں دیکھی۔" رتنا نے اداس ہو کر کہا۔ مگر شوبھا چپ تھی۔ اُس کی پیٹھ بھی لالی کی طرف تھی۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد لالی نے پوچھا۔ "وہ آسام گیا تھا۔؟"

"ہاں۔ میرے پیدا ہونے سے پہلے۔"

شوبھا نے مڑ کر پوچھا۔ "تم ایسے سوال کیوں کرتے ہو۔؟ کیا تم میرے گھر والے کو جانتے تھے۔؟"

لالی بولا۔" ایسے ہی پوچھتا ہوں۔ بُرا مت مانو۔ کیا معلوم کبھی میں نے اُسے دیکھا ہوگا۔ جانا ہوگا۔ ایک بھکاری تو جگہ جگہ گھومتا ہے نا۔؟"

شوبھا تلخ ہو کر بولی۔" جانتے نہیں تو جانے دو۔ بار بار اُس کا ذکر کیوں کرتے ہو۔ بس سمجھ لو میرا گھر والا یہاں سے آسام گیا۔ وہاں مر گیا۔"

لالی کے حلق میں لُقمہ پھنس گیا۔ یا شاید کوئی ایسا جذبہ پھنس گیا جو کسی طرح نگلا نہ جا سکتا تھا۔ وہ اُسے نگلنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسنتے میں رتنا نے بڑے فخر سے اُسے بتایا۔" میرا باپ دیکھنے میں بہت اچھا لگتا تھا۔ سب کہتے ہیں۔"

شوبھا بولی۔" زیادہ باتیں نہ کرو۔"

رتنا بولی۔" میں نے کوئی بُری بات۔؟"

" نہیں کہنے دو اِسے۔" لالی ملتجیانہ لہجے میں بولا۔" بے چاری اپنے باپ کو یاد کرتی ہے۔ کہنے دو۔"

رتنا بھکاری کی شہ پاکر بولی۔" وہ جادوگر بھی تھا۔ بات میں تین گولے لے کر اُنہیں بار بار ہوا میں ایسے گھماتا تھا۔ جیسے سرکس کے جاپانی گھماتے ہیں۔"

" تم کو کس نے بتایا۔؟" لالی نے پوچھا۔

" انکل ولیم نے۔"

" کون ہے وہ۔؟"

" میرا انکل کبراں باندرے کا سب سے بڑا آدمی ہے۔ شہر میں اُس کے چار ہوٹل ہیں۔ چار۔" رتنا نے انگلیوں پر گنوا کے کہا۔

لالی بولا "اچھا۔ وہ ولیم کبرال۔ ؟ جو پہلے سینما کا چوکیدار ہوا کرتا تھا۔"

شوبھا نے اب اچھی طرح مڑ کر حیرت سے اُسے دیکھا۔ بولی "تو تم اُسے بھی جانتے ہو۔ سارے بمبئی کو جانتے ہو۔"

رتنا جلدی سے بول پڑی "انکل ولیم میرے پتاجی کے دوست تھے۔"

"نہیں۔" شوبھا بڑی سختی سے بولی "وہ اُس کا دوست نہیں تھا۔ اُس کا کوئی دوست نہیں تھا۔"

"تم اپنے گھر والے کے لئے ایسی سخت باتیں کیوں کہتی ہو۔"

"کیوں نہ کہوں۔ ؟ نہیں کیا۔ وہ میرا گھر والا تھا۔ میں اُس کے لئے جو چاہوں کہہ سکتی ہوں۔"

"میں کون ہوتا ہوں۔"

اب چند لمحے تینوں خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ آخر کار رتنا نے خاموشی توڑتے ہوئے ڈرتے ڈرتے اپنی ماں سے پوچھا "شاید میرے پتاجی کو جانتا ہے۔"

"کیا معلوم پوچھو اسی سے۔" شوبھا بولی۔

رتنا اپنی کرسی گھسیٹ کر لالی کے پاس لے گئی۔ جو پتھر پر بیٹھا ہوا روٹی کھا رہا تھا۔ "کیا تم میرے پتاجی کو جانتے تھے۔ ؟"

لالی نے کچھ کہے بغیر ہاں میں سر ہلا دیا۔ رتنا نے شوبھا کی طرف مڑ کر دیکھا۔ کہا "ماں۔ ہاں۔ ماں۔ یہ جانتا ہے۔"

اب شوبھا بھی گھوم کر لالی کے سامنے آگئی۔ بولی "تم موتی لال کو جانتے تھے۔ ؟"

"لالی کو نال۔ ؟ ہاں۔"

رتنا جھٹ بیچ میں بول پڑی "وہ دیکھنے میں بہت خوبصورت تھے نہ۔ میرے پاپا۔"

”یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔“ لالی بولا۔

”اور بہت اچھے بھی تھے۔“ ”وہ ایسا اچھا بھی نہیں تھا۔ خالی۔ بس
ایک کارنیوال میں بار کر تھا۔“ رتنا جلدی جلدی اُسے بتانے لگی۔ ”سُنا
ہے اُس کے لطیفے سب سے بڑھیا ہوتے تھے۔ وہ بہت ہنساتا تھا لوگوں کو۔ میرا
باپ....“ ”رُلاتا بھی تھا۔“ لالی افسردگی سے بولا۔ ”تیری ماں
کے ساتھ اُس کا سلوک بہت بُرا تھا۔ وہ اُسے مارتا بھی تھا۔“

شوبھا غصّے سے بولی۔ ”تم جھوٹ بولتے ہو۔“

”میں سچ کہتا ہوں۔“ لالی نے بڑی مضبوطی سے کہا۔

”تمہیں شرم نہیں آتی۔ میری بچی کے سامنے اُس کے باپ کو ایسی بُری باتیں کہتے
ہو۔؟“ ”اپنی روٹی کھالو۔ ختم کر لو اور جاؤ یہاں سے
مرے ہوؤں کو گالی دیتا ہے۔ شرم نہیں آتی تجھے۔“

”میں۔ میں۔“ لالی گھبرا گیا۔ ”میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ کہ۔“

”میری بیٹی کا دل بُرا کرتے ہو۔؟ اُس کے مرے ہوئے باپ سے۔؟۔
یہاں آکے جھوٹ سچ لگاتے ہو۔ رتنا اس کو بول دو یہاں سے چلا جائے کمبخت۔؟“

شوبھا نے اتنا کہہ کر لالی کی طرف سے منہ موڑ لیا۔

لالی نے شوبھا سے پوچھا۔ ”تو تم کہتی ہو تمہارے گھر والے نے تم کو کبھی نہیں
مارا۔“ ”کبھی نہیں۔“ شوبھا اُس کی طرف مُڑ کر بولی۔ ”اُس کا
سلوک مجھ سے بہت اچھا تھا۔“ رتنا نے آہستہ سے پوچھا۔ ”کیا وہ مزیدار
کہانیاں بھی سُناتا تھا۔“

"بہت مزیدار ہنسنے ہنسانے والے قصے۔ اُسے بہت یاد تھے"
شنو بھاننک کر بولی "اس بھکاری سے زیادہ باتیں نہ کرو رتنا۔ بولو۔ اسے یہاں سے چلا جائے" پھر خود ہی لالی سے کہنے لگی "بھگوان کے لئے یہاں سے چلے جاؤ"
رتنا اپنی ماں کا اشارہ پاکر اُٹھی۔ اُس نے لکڑی کا گیٹ کھول دیا۔ اور بھکاری کو جائے کا اشارہ کیا۔ لالی بادلِ نخواستہ وہاں سے اُٹھا گیٹ پر پہنچ کر ملتجیانہ نگاہوں سے رتنا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "میری جیب میں تاش ہے رتنا" لالی نے جیب سے تاش نکال کر دکھائی "میں تمہیں ایسے ایسے کھیل دکھاؤں گا۔ کہ تم دنگ رہ جاؤ گی۔ دکھاؤں۔؟" رتنا نے پورا گیٹ کھول دیا۔ بولی "نہیں اب تم باہر جاؤ"
لالی گیٹ کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا۔
رتنا نے لکڑی کا ہک اندر سے پھنسا دیا۔ اب وہ کھمبوں والے گیٹ جو اُس کے سینے تک آتا تھا۔ کے اندر کھڑی تھی۔ باہر اُس کے سامنے لالی کھڑا تھا۔ خوشامد سے کہہ رہا تھا "ایک منٹ کے لئے۔ بس ایک منٹ کے لئے میری تاش کے تماشے دیکھ لو۔" "نہیں چلے جاؤ۔" رتنا سر ہلا کر بولی۔ "ماں کہتی ہے چلے جاؤ۔" "ایسے مت نکالو مجھے۔" لالی گھبرا کر بولا۔ "بس ایک منٹ کے لئے اندر آنے دو مجھے۔ میں تمہیں ایسے ایسے تماشے دکھاؤں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گی"
رتنا ابھی تذبذب کے عالم میں تھی کیا کرے کیا نہ کرے۔ ماں کا حکم تھا۔ اس پر اس کا جی بھی چاہتا تھا۔ کہ وہ اس اجنبی بھکاری سے تاش کے کھیل دیکھے۔ اتنے میں لالی نے خود سے ہک ہٹا کے ذرا سا گیٹ پھر کھول لیا۔ اور اندر آ کے رتنا سے سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں۔؟"

"کیا ہے۔؟" رتنا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

لالی نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے وہ رومال کھولا۔ اور اِدھر اُدھر دیکھ کر شوبھا کی طرف پیٹھ کر کے بڑی رازداری سے اُس کی تہیں کھولنے لگا۔ رتنا دلچسپی کے عالم میں رومال پر جھک گئی۔ ایکاایک اُس کا اور لالی کا دونوں کے چہرے ایک عجیب و غریب روشنی سے چمکنے لگے۔ رومال کی تہوں میں ایک بہت ہی خوبصورت ستارہ تھا۔

لالی نے اوپر آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رتنا سے کہا۔ "جب میں اُدھر سے آرہا تھا۔ تو میں اُسے وہاں سے توڑ لیا تھا۔ (ہنس کر) چپکے سے چرا لیا تھا تمہارے لئے...." رتنا حیرت سے دیکھتے ہوئے۔ "آکاش کا تارا۔؟"

"ہاں۔" رتنا نے اُسے لینے کے لئے ہات بڑھایا۔ اتنے میں شوبھا آتے ہوئے بولی۔ "اس سے کچھ مت لینا رتنا۔ یہ چور ہے۔ کہیں سے کچھ چرا کے لایا ہوگا۔" لالی نے جلدی سے تارے کو رومال کی تہوں میں چھپا لیا۔

شوبھا اس کے قریب آکے بولی۔ "جاؤ۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ ابھی اسی دم۔"

"ہاں بھاگو یہاں سے۔" رتنا نے بھی کہا۔ اور لالی کو باہر دھکیل کر گیٹ بند کر دیا۔

لالی آخری بار پھر مڑا۔ ملتجیانہ نگاہوں سے رتنا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "مجھے ایسے مت نکالو۔ بچی۔ مجھے ایک نیک کام کرنا ہے۔ بس مجھے ایک نیک کام کرنے دو۔ بس ایک نیک۔"

رتنا غصے سے چلا کر بولی۔ "بھاگو۔" لالی بولا۔ "نہیں بچی۔"

رتنا اپنا ہات اُٹھا کر بولی "چلے جاؤ۔ وہ راستہ رہا تمہارا۔ ابھی جاؤ۔ ورنہ۔"

ایک دم لالی کو غصہ آگیا۔ اُس نے رتنا کے بڑھے ہوئے ہات پر زور سے اپنا ہات مارا۔ دھپ کی آواز آئی۔ جیسے کسی نے چانٹا مار دیا ہو۔ رتنا حیرت زدہ ہو کر

پیچھے ہٹی۔ سہمی سہمی نگاہوں سے بھکاری کی طرف دیکھتی ہوئی روندھے گلے سے بولی۔ "ماں۔" شوبھا چھپّر سے اُٹھ کر دوڑی دوڑی رتنا کے قریب آئی۔ بولی۔ "کیا ہوا رتنا۔ ؟" "ماں۔" رتنا حیران نگاہوں سے لالی کو دیکھتے ہوئی بولی۔ "ماں اس نے مجھے مارا۔ ہات پر یہاں۔ کتنے زور کی آواز ہوئی تھی ماں۔ پر۔" حیرت سے لالی کی طرف دیکھتے ہوئے ! "پر ماں مجھے ذرا بھی چوٹ نہیں لگی۔ ذرا بھی درد محسوس نہیں ہوا۔ ایسا لگا ماں" وہ بڑی حیرت سے لالی کی طرف دیکھتے بولی۔ "ایسا لگا ماں۔ جیسے کسی نے میرے ہات کو ریشم جیسی ملائم انگلیوں سے چھُو لیا ہو۔ ماں مجھے ذرا بھی درد نہیں ہو رہا ہے۔"

رتنا حیرت زدہ ہو کر لالی کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی ماں کے پیچھے چلی گئی۔ اور اُس کے کندھے کے پیچھے سے سر نکال کے لالی کی طرف دیکھنے لگی۔

شوبھا نے بڑے پیار سے رتنا کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "رتنا تم اندر چلی جاؤ۔" رتنا آہستہ آہستہ چھپّر کے اندر جانے لگی۔ رہ رہ کر مُڑ مُڑ کر حیرت سے لالی کو دیکھ لیتی تھی۔ لالی بھی اُس کی طرف دیکھ رہا۔ جب وہ برآمدے سے گزر کر اندر چھپّر میں چلی گئی۔ تو شوبھا نے اُس سے پوچھا۔ "تم نے میری بچّی کو مارا۔ ؟"

"ہاں مارا۔" لالی بولا۔

پہلی مرتبہ شوبھا نے اُسے نئی نظروں سے دیکھا۔ جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔ پھر یکایک اُس کی آواز میں آنسو اُتر آئے وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "کیا تم اسی کے یہاں آئے تھے۔ میری بچّی کو مارنے۔"

"نہیں۔" لالی بولا۔ "میں اس لئے تو نہیں آیا تھا۔ مگر۔ میں نے ہات مار دیا۔ اور۔" (سر جھکا کر)۔ "اب میں واپس جا رہا ہوں۔"

شوبھا نے کہا۔ "بھگوان کے لئے بتا دو۔ تم کون ہو۔؟ کہاں سے آئے ہو۔؟
لالی بڑی سادگی سے بولا۔ "ایک غریب بھکاری جو بہت دور سے آیا۔ تیرے
دوار پر۔ جو بھوکا تھا جس نے تیرا نمک کھایا۔ اور پھر تیری بیٹی کو ہات مار بیٹھا۔؟
(سر اونچا کر کے) کیا مجھ سے خفا ہو۔؟"

شوبھا اپنے سینے پر ہات رکھ کر بولی۔ "جانے کیا بات ہے۔ میں سمجھ نہیں
سکتی۔ پر میں تجھ سے خفا نہیں ہوں۔ جانے کیا بات ہے۔؟"

لالی جنگلے پر جھک جاتا ہے۔ شرم اور ندامت سے۔ شوبھا مڑتی ہے۔
جا کر ٹوٹی شکستہ کھانے کی میز پر بیٹھ جاتی ہے اور رتنا کو آواز دے کر کہتی ہے۔

"رتنا آجاؤ۔ کھانا ختم کر لو۔"

رتنا چھپر سے باہر آ گئی۔ بولی۔ "کیا وہ چلا گیا۔؟"

"ہاں وہ جا رہا ہے۔"

شوبھا اور رتنا دونوں آمنے سامنے میز پر بیٹھی ہیں۔ مگر اب جگہ تبدیل ہو
چکی ہے۔ پہلے جہاں شوبھا بیٹھی تھی۔ وہاں اب رتنا آ گئی۔ اور جہاں پہلے رتنا بیٹھی
تھی وہاں اب شوبھا بیٹھی ہے۔ اب رتنا کی پشت بھکاری کی طرف ہو گئی۔ اور
شوبھا بھکاری کے سامنے ہے۔ مگر اس وقت شوبھا بھکاری کی طرف نہیں دیکھ
رہی ہے۔ منہ اوپر کر کے خلا میں کچھ سوچ رہی تھی۔ رتنا نے اسے جھنجھوڑ کر پوچھا۔

"ماں تمہیں کیا ہو رہا ہے۔؟"

"کچھ نہیں بیٹی۔" شوبھا بڑے حسرت ناک لہجے میں بولی۔

ٹھیک اسی وقت جب شوبھا خلا میں دیکھ رہی تھی۔ اور رتنا کی بیٹھ جنگلے

کی طرف تھی۔ وہ دونوں سیاہ چوغے والے سنتری لکڑی کے جنگلے کے قریب نمودار ہوئے۔ اُنہوں نے مایوس نگاہوں سے لالی کی طرف دیکھا۔ لالی نے آہستہ سے اپنے کندھے اُچکائے۔ اُن دونوں سنتریوں نے اُسے اپنے بیچ میں لے لیا۔ آگے آگے پہلا سنتری۔ پھر لالی۔ پھر آخر میں دوسرا سنتری۔ اب وہ تینوں چلتے چلتے ان کے گھر کے سامنے سے غائب ہو گئے۔ زننا نے اپنی ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "ماں کیا سوچ رہی ہو۔؟" شوبھا نے چونک کر کہا۔ "ایں۔ ؟" پھر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہیں بیٹی۔ کچھ نہیں ہوا۔"

"ماں تم مجھے بتاتی کیوں نہیں ہو۔؟"

"بتانے کے لئے اب ہے کیا بیٹی۔ ؟" شوبھا نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سب آج اتنا ہوا۔ کہ جب ہم کھانا کھا رہے تھے۔ ایک بھکاری آیا۔ اور اُس نے گزرے ہوئے زمانے کی باتیں کہیں۔ اور مجھے تیرے پتا یاد آ گئے۔"

"میرے پتا۔ ؟" "ہاں۔ میرا لالی۔"

زننا خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔ شوبھا خلا میں دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈنے لگے۔ یکایک زننا نے پوچھا۔ "ماں۔ ایک بات بتاؤ۔ کیا ایسا ممکن ہے۔ کوئی ہمیں مارے اور ذرا درد نہ ہوا۔ اتنے زور سے ہات مار دے اور ذرا بھی درد نہ ہو۔ کیا ایسا کبھی ہوا ہے۔ ؟"

شوبھا نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہاں بیٹی میرے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔" زننا نے پھر بڑی حیرت سے کہا۔ "پر ماں ایسا کیسے ممکن ہے۔ کوئی زور سے مارے۔ بہت زور سے۔ سختی سے غصّے میں ہات مار دے۔ اور ذرا بھی چوٹ نہ آئے۔ کہیں